اسکے ناگوار نتائج کی تفصیل کی حاجت نہین، گورنمنٹ نے ازراہ مہربانی اسکولون مین مذہبی تعلیم کی اجازت دے رکھی ہے، اسلئے مدت سے یہ ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ دینیات کے چند ایسے رسالے لکھے جائین جو ان مدارس مین پڑہائے جاسکین، حمایت اسلام اور علی گڈھ کالج کی طرف سے اس قسم کے رسالے شایع بھی ہوئے ہین، لیکن ان مین بڑا نقص یہ ہے کہ وہ نہایت سطحی ہین اور ان مین چند ملایانہ فقہی مسائل کے سوا اور کچھ نہین ہے، علامۂ شبلی نعمانی مرحوم نے سنہ ۱۹۱۰ مین اشاعت اسلام کا جو صیغہ قائم کرنا چاہا تھا اسمین اس ضرورت کو سب سے مقدم رکھا تھا، تمام موجودہ سلسلۂ دینیات کو دیکھکر مجھے (اڈیٹر معارف) ایک جدید سلسلۂ دینیات کی ہدایت فرمائی تھی، اُن کا لکھوایا ہوا خاکہ ابتک موجود ہے، اُنھون نے دینیات مین چار چیزین داخل کی تھین، عقاید، فقہ، اخلاق، اور تاریخ اسلام، ان مباحث کو بتدریج ایک سلسلہ مین پورا کیا جاتا،

جناب مولوی سید فضل الرحمن صاحب وکیل وآنریری سکریٹری مسلم ہائی اسکول کانپور جو اپنے پہلو مین حیات اسلامیہ سے ایک بیقرار دل رکھتے ہین، اپنے اسکول کے لئے اسی قسم کے ایک سلسلۂ دینیات کی ترتیب کے لئے مضطرب تھے، بالآخر خدا نے اُنکی سعی اور اُنکی زیرنگرانی ایک ایسا عمدہ سلسلۂ دینیات مرتب ہوگیا جو مسلمان لڑکون کے لئے بغایت مفید ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اُنھون نے علامۂ مرحوم کی تجویز کی اسطرح غائبانہ تقلید کی ہے کہ اگر علامہ مرحوم زندہ ہوتے تو وہ اُسکو یقیناً نہایت پسند فرماتے،

پورا سلسلہ ۸ رسالون پر مشتمل ہے، جن مین عقاید و علم کلام، عبادات و فقہ، اخلاق و عادات اور سیرۂ نبوی و تاریخ اسلام کو بہ ترتیب پھیلایا ہے اردو کے جن کتب و رسائل سے اقتباسات لئے گئے ہین وہ مستند ماخذ ہین، زبان بھی آسان اور روان ہے، طرز بیان سادہ لیکن دلچسپ ہے آخر مین ایک دو قومی نظمین دی ہین، آٹھوان رسالہ تو البتہ کسیقدر ترمیم کا محتاج ہی، (دیکھو صفحہ ۵۰)

مجلد دوم | ماہِ محرم سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق نومبر سنہ ۱۹۱۷ء | عدد پنجم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ماہ گذشتہ مین ہماری مجلس کے دو محترم ارکان بلکہ اساطین کو "وداعِ عزیز" کے دو جانگزا صدمے برداشت کرنے پڑے، مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کو اپنے "محبوب فرزند کی مفارقت دائمی کا داغ اُٹھانا پڑا، اور حسام الملک نواب سید علی حسن خان کو اپنے برادر بزرگوار نظام الملک نواب سید نور الحسن خان کی دائمی جدائی کا غم سہنا پڑا، یہ دونون بزرگوار ہماری مجلس کے دست و بازو ہین، انکا صدمات سے دوچار ہونا ہمارے لئے لازمۂ غم اور داعیۂ ماتم ہے،

لا یعزن اللہ "الحبیب" فاننی   لآخذ من حالاتہ بنصیب

مرنے والون کے لئے دعاے مغفرت انسان کے غم کا علاج نہین، لیکن اُسکی روحانی تشفی کا باعث ہے، اللھم الحقھما بالرفیق الاعلے،

بقول علامہ مرحوم، مولانا حالی کے بعد کسی نے سُننے کے لائق کچھ کہا ہے تو وہ مولوی

محمد اسمعیل صاحب میرٹھی ہین" افسوس کہ دوسرا حالی بھی اس مہینہ ہماری دنیا سے رخصت ہوگیا، مرحوم کا سہل و روان کلام ہمارے بچون کا ابتدائی سبق تھا، وہ اپنی پیرانہ سالی کی مرتعش زبان سے چھوٹے چھوٹے بچون کو اس پیار سے سمجھاتے تھے کہ وہ نصیحت کی گرانباری کو کھلونا سمجھکر اُٹھا لیتے تھے، افسوس کہ یہ کھلونے بنانے والا بھی اب نہ رہا، سرکاری خدمت سے گوشہ نشین ہوکر وہ ہمہ تن علمی خدمات مین مصروف ہوگئے تھے تدوین کلام خسرو کے سلسلہ مین قران السعدین کی تقریظ و تحشیہ سے فارغ ہوکر حیات خسرو کی ترتیب مین مصروف تھے، اسکے علاوہ قواعد اردو اور لغات اردو کی تکمیل کا کام شروع ہو رہا تھا جو افسوس کہ ناتمام رہا، میرٹھ مین ایک مدرسہ بنات المسلمین بھی آپکے اعمال حسنہ کی یادگار ہے،

"مباحث حاضرہ" کے زیر عنوان تاریخ صحافت پر جو محققانہ اور دلچسپ سلسلہ ہمارے عزیز مولوی حاجی معین الدین ندوی رفیق دار المصنفین کے قلم سے نکل رہا تھا، افسوس ہے کہ ایک دو مہینے تک وہ موقوف رہیگا، عزیز موصوف کی خدمات چند مہینون کیلئے ندوۃ العلما نے حاصل کرلئے ہین تاکہ اُنکی زیر نگرانی اُسکا کتبخانہ نئے سرے سے مرتب کیا جائے، اور کتبخانہ کی فہرست بطرز جدید مرتب ہو، چنانچہ وہ اس کام مین نہایت سرگرمی سے مصروف ہین،

شعرا کی زبان سے "فرداے قیامت" کا لفظ اگرچہ اکثر سُنا تھا، لیکن ہمیشہ اسکو مجاز سمجھا کئے، لیکن سیرۃ نبوی کے معاملہ مین وہ مجاز حقیقت بنگئی،

عمرے شد و یک روز نیفتاد بدستم   ازبسکہ ہر امروز بروز دگر افتاد

سیرۃ جلد اول کے ۴۵۲ صفحون مین سے ۳۶۸ صفحے چھپکر ہمارے پاس پہنچ گئے، ۸۴ صفحے اصل کے اور کچھ فہرست کے صفحے اب رہ گئے ہین، دعا کیجئے کہ خدا صاحب مطبع کو توفیق دے کہ وہ ۱۹ شئہ کے آغاز سے پہلے سیرت کے اس حصہ کو ختم کردین،

کلکتہ مین ۱۴ برس سے مسلمانون کی ایک انجمن بنام مفید الاسلام قائم ہے جسکا مقصد شہر کے لاوارث مسلمان مُردون کی تجہیز و تکفین، نادار یتیم بچون کیلئے مذہبی تعلیم کا انتظام، ایک کتبخانہ اور دار المطالعہ کا قیام ہے، ہمارے پاس اسکی دو سال کی رودادین آئی ہین، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن اپنے سرگرم ناظم کی کوشش سے اپنے فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہے،

اس زمانہ مین کسی سرگرم اور عمل فرما اسلامی انجمن کا وجود ایک نعمت غیر متوقعہ ہے، ورنہ شور و غل کی انجمنون کی دولت تو اس کثرت سے ہمکو ملی ہے کہ ہمارے دامن سعادت کا اب کوئی گوشہ خالی نہین رہا ہے،

مکاتیب شبلی جلد دوم شائع ہوگئی ہے، اسمین مولانائے مرحوم کے تلامذہ اور بعض مخصوص احباب کے نام خطوط ہین، ضمیمہ مین مولانا کے فارسی خطوط ہین جنمین انکے آغاز زندگی کے خیالات کا نقشہ نظر آتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہونہار بروا اپنے چکنے پات کیونکر دکھاتا ہے، ابتدا مین ایک مقدمہ کا اضافہ ہے جسمین مولانا کے خصوصیات تحریر پر تبصرہ ہے،

مقالات

مسلمانان ہند کی تنظیم مذہبی

بتقریب

اجتماع فرنگی محل

باز گلبانگ پریشان می زنم — آتشے در عندلیبان می زنم

حجلۂ گل بہر من گردن زدن — سر بدیوار گلستان می زنم

ہندوستان کی آبادی جس طرح سینکڑون مختلف قومیتون کا مسکن ہی، اسی طرح سینکڑون مختلف مذہبون اور ملتون کا مرکز ہے، لیکن اسلام کی حیثیت ان سب سے الگ ہی، دنیا کے تمام مذاہب پہلے مذہب بنے، اور اسکی ایک مدت کے بعد وہ حکومت اور فرمانروائی تک پہنچے، پہلے کلیسا اور دیر انکے ہان تعمیر پائے، اور پھر قصر و ایوان انکو نصیب ہوئے، پہلا قدم منبر پر رکھا، اور صدہا سال کے بعد انکا دوسرا قدم تخت و سریر پر پڑا، پہلے گوشہ نشین کاہن اور قسیس پیدا ہوے، اور اسکے بعد فاتح اور کشور کشا ملوک اور سلاطین،

لیکن اسلام مذہب اور حکومت ساتھ ساتھ بنا، اسکا دیر و کلیسا اور ایوان و قصر ایک ہی سادہ عمارت تھی، اسکا منبر اور تخت ایک ہی ہیزم نشستگاہ کے دو نام تھے، اسکے رات کے گوشہ نشین کاہن و قسیس ہی دن کے کشور کشا ملوک و سلاطین تھے، وہ جس دن مذہب بنکر آسمان سے اُترا، اسی دن اُس نے روے زمین پر اپنی بادشاہی کا فرمان پڑھا، دین اور دنیا کا اختلاط اور جامعیت خواہ فلسفۂ مذاہب کے روسے عیب ہو یا ہنر ہو، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی حقیقت یہی ہے، اسکے داعی اول نے یروسلم کے واعظ

(حضرت عیسیٰ) کی طرح، نہین کہا کہ جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو، اسکے نزدیک قیصر کا حکم خدا کے حکم کے سوا کچھ اور نہین ہونا چاہیئے،

اب تاریخی حیثیت سے غور کرو کہ ہندوؤن کے وید غیر معلوم عہد تاریخی مین ترتیب پائے، لیکن انکی حکومت کا سلسلہ عہد تاریخی کے اندر ہے، انکے ہان برہمن مذہب کیلئے اور راجپوت حکومت کے لئے ہے، یہودیون کا مذہب حضرت موسےٰ کے عہد مین پیدا ہوا لیکن فرمانروائی کا دن حضرت داؤد کی پیدائش سے شروع ہوا، پارسیون مین زردشت بانی مذہب تہا، بانی حکومت نہ تہا، یروسلم کے مسیحی فقرا، کو چار سو برس کے بعد قسطنطنیہ کے سواحل پر فرمانروائی کا نظارہ دکہائی دیا، دنیا کے دیگر مذاہب کا بھی کم وبیش یہی حال ہے،

اس اختلاف کا ضروری اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کے آئین وقوانین مذہبی مین حاکمانہ اور مقتدرانہ رُوح موجود ہے، وہ صرف نظری نہین بلکہ عملی مذہب ہے اور اسکے احکام صرف واعظانہ نہین بلکہ نافذانہ اختیارات رکہتے ہین، زندگی کے بہت سے لوازم اور ضروریات جو دوسرے مذاہب مین متروک یا غیر ضروری سمجھے گئے ہین وہ اسکے نزدیک فرض اور واجب ہین، نکاح، طلاق، وراثت، تفریق بین الزوجین، فسخ نکاح، شفعہ وہ احکام ہین جنکے مسائل دوسرے مذاہب مین مطلق نہین ہین یا بہت کم ہین، خصوصًا ہندو قوم تو سرے سے ان مباحث سے پاک اور معرّیٰ ہے، اسلام مین نکاح کے قواعد، اور اسکی صحت کے شرائط، رمضان وعیدین، طلاق، ابطال نکاح، فسخ نکاح، تفریق، معاملات شفعہ، تعزیرات وحدود، قربانی، انتظامات حج، اوقاف، مساجد، مدارس، غرض سیکڑون مذہبی فرائض ہین جنکی تنظیم وترتیب کی حاجت ہے

اصل یہ ہے کہ دیگر مذاہب مین چونکہ حاکمانہ اختیارات کا عنصر اصلی نہین ہے، اسلئے

احکام کے نفاذ کی حیثیت ان مین محض شرعی اور دینی ہے، لیکن اسلام مین یہ دونون حیثیتین الگ الگ نہین، اسلئے اسکے احکام شرعی کے لئے نافذانہ قوت ایک ضروری شے ہے، اسلام کا بادشاہ اسکا امام ہوتا ہے، اسکے حکام شرع کے قاضی ہوتے ہین اُسکے سپاہی مجاہدین ہوتے ہین، اس بنا پر اسلام دنیا کے جس خطہ مین پہنچا، وہ مذہب و حکومت ساتھ لیکر گیا، لیکن دوسرے مذاہب کی حالت اس سے مختلف ہے، وہ محکومانہ یا وحشیانہ حالت مین پیدا ہوے، اور اسی حالت مین انھون نے نشو ونما پائی، اسلئے وہ حاکمیت کے بغیر بلکہ نظم حکومت کے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہین،

چھ سو برس تک جب تک اسلام اپنی حاکمانہ قوت کے ساتھ روے زمین پر فرمانروا رہا، اسکے تمام احکام شرعی اپنی اصلی حالت پر انجام پاتے رہے، عہد نبوت سے لیکر چھٹی صدی ہجری تک جب تک خلافت عباسیہ براے نام بھی قائم رہی، اُسکے زیر اثر تمام دنیاے اسلام کی مذہبی زندگی برقرار رہی، تاتاریون کے سیلاب نے اگرچہ آن واحد مین عراق، ترکستان اور ایران کی مذہبی عمارتون کو مسمار اور اسلامی آبادیون کو ویران کر دیا، تاہم چند ہی سال کے بعد مسلمانون نے اس نئی حکومت کے تمام جزو وکل پر قبضہ کر لیا، چنانچہ نئے سرے سے مسجدین آباد ہوئین، قضاۃ کا تقرر ہوا، ائمہ نصب ہوئے انکے اوقاف کے انتظامات ہوے، مدارس عربیہ کھل گئے، انکے بعد ترکون مغلون اور پٹھانون نے خروج کیا، چونکہ ترک مغل اور پٹھان بادشاہون کو وہ دینی وقار اور مذہبی تقدس حاصل نہ تہا، اسلئے حکومتون مین شیخ الاسلام کا ایک جدیدہ عہدہ وضع ہوا، بادشاہ دینی ودنیاوی دو مرکب اور ممزوج حیثیتون مین سے وزیر دنیاوی اور شیخ دینی حیثیت کے مظہر تھے،

ہندوستان مین بھی یہی طرز عمل جاری تہا، صدر جہان ایک خاص عہدہ تہا جسکی زیر نگرانی تمام مذہبی احکام اور فرائض انجام پاتے تھے، قاضی ہوتے تھے جو مذہبی احکام فیصل کرتے تھے، برطانیہ نے ہندوستان پر جب قبضہ کیا ہے تو یہ سب عہدے قائم اور جاری تھے، اور ابتداے عہد انگریزی تک جاری رہے، چنانچہ غدر تک کے فیصلون پر "خادم شریعت قاضی ..." کی مہرین کاغذات سرکاری پر ملینگی، لیکن رفتہ رفتہ یہ عہدے مٹتے گئے اور آخر معدوم محض ہوگئے، بعض صوبون مین مثلاً بنگال مین "قاضی نکاح" کا عہدہ صرف رہ گیا ہے جسکی حیثیت اسیقدر ہے کہ وہ ایک رجسٹر نکاح کا مالک ہے اور دس پندرہ ماہوار سے اسکی خدمت کیجاتی ہے،

ہندوستان کے علاوہ اور دیگر اسلامی ممالک جو مسلمانون سے نکلکر فرانس، اٹلی، اسٹریا، امریکہ، روس، ریاستہاے بلقان، ہالینڈ کے زیر اختیار آے ہین، معاہدون کے روسے ابتک یہ شیخ الاسلام کے ہاتھ مین ہین، بعض یورپین سلطنتون نے خود اپنے زیر حکم شیخ الاسلام مسلمانون کے لئے مقرر کر رکھا ہے جو انکی مسلمان رعایا کا مذہبی نگران ہے چنانچہ روس، الجیریا، ٹیونس، طرابلس، بوسینیا، ہرزیگوینا، بلگیریا، فلیپائن وغیرہ مین اسی طریقہ پر مسلمانون کے لئے خاص انتظامات ہین،

ہندوستان مین جو اسلامی ریاستین ہین، بلکہ بعض ہندو ریاستون تک مین مسلمانون کے مذہبی احکام اور فرائض کے لئے مذہبی عہدہ دار قائم ہین، حیدر آباد مین ناظم امور مذہبی کا ایک مستقل صیغہ ہے، بھوپال مین قاضی، مفتی کے عہدے ہین، مجلس العلمار قائم ہے، ہندو ریاستون مین سے بڑودہ مین قاضی کا خاندان ایک مدت سے چلا آتا ہے گوالیار مین نغی ہین

ہندوستان مین مسلمانون کے مذہبی امور سخت انتشار اور بے ترتیبی کی حالت مین ہین

مسجدین ویران ہین، اماموں اور موذنون کی حالت سخت قابل اصلاح ہی، مدرسے کس مپرسی مین پڑے ہین، ہندوستان مین جسقدر مذہبی مدارس ہین ان مین کوئی باہمی نظم وسلسلہ نہین، اوقاف کی حالت سخت قابل افسوس ہے، اور روز بروز وہ شخصی تغلب مین آتے جاتے ہین، مسلمانون کی ابتدائی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہین، ملک کے بڑے بڑے رقبے مذہبی جہالت کی بنا پر اسلام اور حکومت دونون کے لئے خطرناک ہین، طلاق ونکاح وفسخ وتفریق کے ہزارون معاملات جو دن رات پیش آتے ہین، تمام ہندوستان مین مسلمانون کے لئے انکا کوئی انتظام نہین، اسکے لئے گورنمنٹ کی سول عدالتون کو تکلیف گوارا کرنی پڑتی ہے، جسمین ایک طرف تو عدالتون کی اصول اسلامی سے ناواقفیت کی بنا پر نہایت شدید غلطیان سرزد ہوتی ہین، دوسری طرف مسلمانون کو اُنکے مذہبی احکام مین غیر مسلم عدالتون کی مداخلت سے آزردگی وناگواری پیدا ہوتی ہے اور اکثر علمار کے نزدیک ان معاملات مین غیر مسلم عدالتون کا فیصلہ قبول کرنا ناجائز ہے،

ادنیٰ اور متوسط مسلمان طبقون کی اجتماعی حالت ہندوستان مین تنظیم مذہبی نہونیکے باعث سخت تکلیف مین ہے، اور اگر اس دعوی کے مزید تشریح کی ضرورت ہو تو دار المصنفین ندوہ، دیوبند، اور دیگر عربی مدارس اور ممتاز علمار کے ہان جاکر روزانہ ڈاک مین استفتا کے خطوط پڑہو، اس سال کے اخبارات کی فائل "زوجہ معلقہ" کے متعلق مشہور وگرم وتیز مضامین سے مملو ہے، اسی طرح مسلمان خواتین کی کثیر تعداد بیکسی مین گرفتار ہی، ابھی میرے پاس جالون سے ایک خط آیا ہے جسمین ایک شریف خاتون کی سرگذشت لکھی ہے جو ایک ظالم شوہر کے پنجہ مین گرفتار ہے، مولانا اشرف علی صاحب نے لکھا کہ کسی اسلامی ریاست مین جاکر قاضی کے سامنے تفریق کرالو، لیکن جب بھوپال کے قاضی صاحب کو لکھا گیا تو

انھون نے بہت درست جواب دیاکہ چونکہ فریقین مین سے کوئی ریاست بھوپال کا باشندہ نہین اسلئے مجھکو مداخلت کا حق نہین،

مسجدون کے مقدمات پڑھیئے، مقلد، غیر مقلد، حنفی، شافعی، قادیانی وغیرہ کے مقدمات کسکے سامنے پیش ہوتے ہین، مسٹر جیمس کے، آمین بالجہر اور بالسّر کے مسئلہ کا کون فیصلہ کرتا ہے، مسٹر گھوش، نکاح وطلاق کے صحت وعدم صحت کا کون فرمان جاری کرتا ہے؟ ہرنام سنگھ، قرآن، کتب احادیث، اور فتاداے فقہ کا کہان ڈھیر لگتا ہے، بوٹ کی جگہ پر فیادمعۃً علی الاسلام! ویادمعۃً علی المسلمین!

اوقاف کی حالت پر غور کرو، تمام ہندوستان مین مسلمانون کے کرورون روپیے کے اوقاف ہین، وہ انتظاماً جسقدر برے ہاتھون مین ہین، انکا رونا ہر روز اسلامی اخبارات مین ہوتا ہے، جس کارخیر کے لئے وہ وقف ہین اسمین انکا کسقدر حصہ صرف ہوتا ہے وہ ذاتی جائداد کی طرح متولیون کے موروثی قبضہ مین ہین، اور روز بروز وہ برباد ہوتے جاتے ہین،

قربانی، رمضان، عیدین کے موقعون پر مذہبی انتظامات جاری کرنا، تاریخون کا متعین کرنا، رویت ہلال کے اطلاعات بہم پہنچانا، حج کے لیے مختلف شہرون مین اور خصوصاً بمبئی مین انتظام اور حاجیون کے مصائب کا کم کرنا، ایسی ضرورتین ہین جنکے لئے مستقل صیغہ کی ضرورت ہے، اور گورنمنٹ نے ان مین سے بعض کے لئے مثلاً محافظت حجاج کے لئے انتظامات کئے بھی ہین لیکن تمام ہندوستان کا اسکے انتظام نہین ہوسکتا

الغرض ہندوستان مین مسلمانون کی مذہبی حالت ایسی افراتفری اور پراگندگی کی حالت ہے کہ شاید دنیا کے کسی خطہ مین جہان مسلمان آباد ہون اسقدر پراگندہ اور منتشر ہوگی یہ حالت مسلمانون کے لئے اور حکومت کے لئے دونون کے لئے قابل غور ہے، اور اس لائق ہے کہ

ہماری حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار، ہمارے رہنمایان سیاسی اور ہمارے علماے دینی سب ملکر ان معاملات پر غور کرین، اور کوئی مستقل اور پائدار تدبیر انکے لئے اختیار کرین،

ہمارے نزدیک بہترین تدبیر یہ ہے کہ اسلام کی گذشتہ روایات اور موجودہ رسوم جاریہ کے مطابق مسلمانون کے لئے ایک مذہبی صیغہ ہندوستان مین قائم کیا جاے جسکا اعلےٰ عہدہ دار شیخ الاسلام ہو، جسکی عزت ووقار کا سرکاری طور سے اعتراف کیا جاے، اسکو ایک بڑی تنخواہ دیکر اسکے اعزاز کو بڑہایا جاے، اسکا تقرر مسلمان جماعتون کے انتخاب اور گورنمنٹ کی منظوری سے ہو، اسکے ماتحت صوبون مین اور صوبون کے ماتحت ضلعون مین اسکے عہدہ دار ہون جو اپنے حدود کے انتظامات کرین، اس صیغہ کے ماتحت حسب ذیل چیزین ہون احکام ومسائل شرعی کا اجرا، اور نفاذ، منازعات مذہبی کا فیصلہ، اوقاف، مساجد اور مدارس کا انتظام، دارالافتار کا قیام، یہ تمام صیغے واقف قانون ذی فہم اور روشن خیال علما کے ماتحت ہون جنکو مخصوص نصاب تعلیم کے مطابق پڑہایا جاے ورنہ ڈر رہیگا کہ مسلمانون کے پاؤن مین ایک نئی آہنی بیڑی نہ پڑجائے،

اس تجویز کی منظوری کے لئے دو فریق مخاطب ہین، مسلمان اور گورنمنٹ، مسلمانون کو تو بدل وجان یہ تجویز منظور ہوگی، اب رہ گیا گورنمنٹ کا معاملہ جسکی اعانت کے بغیر یہ کام انجام نہین پاسکتا، گورنمنٹ کی خدمت مین عرض ہے کہ ہم مسلمان اس سے ایک ایسی چیز کے خواہشمند ہین جسکے ہم جائز حقدار ہین،

(۱) ہماری قوم مین مذہباً اور قانوناً جب تک ہم دنیا کے فرمانروا رہے یہ عہدہ قائم رہا۔

(۲) ہندوستان کے گذشتہ عہد مین بھی یہ صیغہ قائم تہا،

(۳) تمام بلاد اسلامیہ مین جہان جہان مسلمان آباد ہین، اور جن مین سے اکثر یورپین طاقتون کے

ماتحت ہین، اور امریکہ کے ماتحت بھی کچھ حصہ ہے، وہان یہ صیغہ خودسرکاری انتظام واعانت سے موجود ہے،

(۴) خود ہندوستان کی دیسی ریاستون مین بھی اس قسم کے انتظامات جاری ہین،

(۵) حکومت برطانیہ کے آغاز عہد مین اس قسم کے انتظامات ملک مین رائج تھے، لیکن رفتہ رفتہ مٹ گئے، اور چونکہ ہماری قوم مصائب غدر کے باعث اسدرجہ مرعوب اور مبتلاے ہول تھی کہ وہ اپنی مذہبی بربادی اور جائز حقوق کے چھنتے پر بھی کچھ بول نہ سکی، لیکن اب جبکہ ہماری قوم مین اشاعت تعلیم کے باعث امن وسکون پیدا ہورہا ہے، اور گورنمنٹ بھی مہربانی سے عطاے حقوق مین روز بروز فیاض ہورہی ہے، اسلئے چند سال پہلے جو غلطی حکمرانون سے ہوئی ہے ہم اسکی اصلاح کے طالب ہین، قانون وقف اولاد کی مثال ہمارے سامنے ہے انہین دلائل کی بنا پر جب اصلاح کا مطالبہ کیا گیا تو گورنمنٹ نے فوراً اپنی غلطی کا احساس کرکے ہمارا مطالبہ تسلیم کرلیا،

ایک اتنے بڑے عظیم الشان صیغہ کے قیام مین ممکن ہی کہ گورنمنٹ مالی دشواری محسوس کرے لیکن اسکا حل نہایت آسان ہے، جب ہمارے اوقاف اور دیگر مذہبی صیغون کی حالت درست ہوجائیگی تو خود بخود مصارف نکل آئینگے، مقدمات مین اسٹامپ کی آمدنی کافی ہوگی اور بہت سے نئے ذرائع پیدا ہوجائینگے،

اسوقت جبکہ وزیر ہند ہمارے درمیان موجود ہین حقوق ملکی کی تفصیل اور مطالبہ ہر ہر فرقہ آزادی سے کررہا ہی، ہمارے علمار نے یکم نومبر کے اجتماع فرنگی محل مین اپنی مذہبی پریشان حالی کا احساس کرلیا ہی ۱۵ سے ۲۰ نومبر کی تاریخون مین علماے ہند کا مقدس وفد بارگاہِ وزارت مین پیش ہورہا ہے تو ان وجوہ سے اس مطالبہ اور درخواست کا اس سے بہترین موقع کوئی دوسرا نہوگا،

مکالمات برکلے

دیباچہ مصنف (ملخصاً)

عام خیال یہ ہی اور خود آئین فطرت بھی اسی کا مقتضی ہے کہ فلسفہ کی غایت تہذیب نفس یا حیات ومعاشرت کے اجزار عملی کی اصلاح ہوتی ہے لیکن حکمار وفلاسفہ کا طرز عمل ہمیشہ اسکے برعکس رہا ہے، جو لوگ نزاعات لفظی سے خاص لطف اٹھاتے ہون، مجردات وتعمیمات کو وسیلۂ نجات سمجھتے ہون، اور کج اختمالیون مین مبتلا رہنا از خود اپنے لئے پسند کرتے ہون، انہین معانی سے کیا واسطہ رہ سکتا ہے؟ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفہ ایک چیستان بنگیا، فلاسفر الفاظ کی بھول بھلیان مین پھنس گئے، اور اس علم کا جو مقصود اصلی تھا وہ تمامتر فوت ہوگیا،

یہین سے تشکیک ومستبعدات کی بنیاد بھی پڑی، اور اساطین فلسفہ بہ کمال سنجیدگی اپنے متبعین کو یہ تعلیم دینے لگے کہ حواس پر اعتماد نہ کرو، عقل کو نارسا سمجھو، جو کچھ سُنتے اور دیکھتے ہو، اسپر یقین نہ کرو، اپنے مشاہدات اور تجربات کو محض دہوکا سمجھو، اور یہ یقین کرلو کہ ان تمام مظاہر کائنات کے عقب مین اصلی حقائق مستور ہین، جنکا ادراک ہمارے حواس کی رسائی اور عقل کی دسترس سے باہر ہے، غرض یہ کہ جن چیزون پر ساری دنیا ایمان رکھتی ہے، انکے بارہ مین شک کرو، اور جو چیزین سب کے نزدیک مہمل اور مضحک ہین اُنہین مسلّم سمجھو،

ایسی حالت مین فلسفہ کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اسے اس لفظی الجھاؤ سے آزادی دیجائے ان دور از کار نظریات کی بنیادون کی جانچ کیجائے، اور انکی بجاے ایسے صاف اور سادے اصول اولیہ قائم کئے جائین، جنہین انسان کی فطرت سلیم بلا تامل تسلیم کرلے، اور جنکے ماننے سے نہ کوئی استبعاد لازم آئے نہ استغراب، اور اگر ان اصول عامہ کی تاسیس کے ساتھ ایک عالم کُل خدا کی ہستی مطلق،

اور روح کی بقا ثابت ہوجاے، تو نظام فلسفہ کے یہ عناصر ثلثہ، اخلاق و تزکیۂ نفس کی عمارت کیلئے بہترین و مستحکم ترین بنیاد کا کام دیسکتے ہین، اور یہی فلسفہ کی علت غائی اور مقصود اصلی ہے،

اہنین مقاصد کو پیش نظر رکھکر مین نے "مبادی علم انسانی"[له] کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا جسکا جزو اول ۱۹۱۱ء مین شایع ہوا، لیکن قبل اسکے کہ اسکا جزر ثانی شایع ہو، مین جزو اول کے بعض مطالب کی سہولت تفہیم کے لئے یہ مناسب سمجھا کہ انہین ایک دوسری ہئیت مین بھی پیش کرون، چنانچہ یہ مکالمات اسی خیال کا نتیجہ ہین،

چونکہ یہ ضروری نہین کہ مکالمات کے جملہ ناظرین مبادی کا مطالعہ کرچکے ہون، اسلئے مین نے اس رسالہ کا طرز بیان خاص طور پر سادہ، قریب الفہم و دل نشین رکہا ہے، اور اسکی اسلئے اور بھی ضرورت تھی کہ اسمین جن مسائل کی تردید و تغلیط کیگئی ہے، وہ فلاسفہ کے اثر سے مدت سے لوگون کے دلون پر خوب مسلط و حادی ہوچکے ہین،

میرے پیش کردہ اصول و نظریات اگر صحیح تسلیم کرلئے جائین تو اُنکی صحت سے لازمی نتائج یہ پیدا ہونگے کہ الحاد و تشکیک کا قطعاً خاتمہ ہوجائیگا، صدہا گتھیان کھل جائینگی، بیسیون عقدے حل ہوجائینگے، الجھاؤ کی جگہ سلجھاؤ پیدا ہوجائیگا، فلسفہ و عمل مین پھر رشتۂ یگانگت قائم ہوجائیگا، اور مسائل بجاے مستبعد نظر آنیکے فطرت سادہ و سلیم کے بالکل مطابق ہوجائینگے،

ممکن ہو کہ بعض حلقون سے یہ صدا آے کہ اگر اتنی تحقیق و کاوش کے بعد بھی ہم گھوم پھر کر بالآخر انہین نتائج پر پہنچے جنہین مدت ہوئی عامیانہ سمجھکر ترک کرچکے تھے، تو یہ ساری محنت لاحاصل رہی، ایسے حضرات کی خدمت مین مین التماس کرونگا کہ فلسفہ کی بھول بھلیان کی سیر کرکے اس سے باہر نکل آنا بھی لطف و نفع سے خالی نہین، ایک طویل دریائی سفر کے بعد جب سیاح گھر واپس آتا ہے تو جو مصائب و تجربات گذر چکے ہوتے ہین، انکی یاد اسکے لئے خاص طور پر لطف افزا و تجربہ آموز بھی

له اس رسالہ کا ترجمہ دارالمصنفین نے شائع کیا ہے،

اس رسالہ کے اصل مخاطبین چونکہ ملاحدہ و مشککین ہین، جنکے مقابلہ مین نقل سے حجت لانا بالکل بیکار رہتا، اسلئے مین نے تمامتر استدلال عقلی سے کام لیاہے، جسکے مطالعہ کے بعد مجھے امید ہے کہ ہر منصف مزاج شخص یہ اعتراف کراُٹھیگا کہ وجود باری کا پُرجمال، اور حیات بعد الممات کا تشفی بخش عقیدہ فکر انسانی کے صحیح استعمال سے خود بخود لازم آتا ہے، خواہ اس نتیجہ سے اُن اسم باسمی آزاد خیالون کو اتفاق نہو، جو حکومت و مذہب کی طرح عقل و منطق کے قیود سے بھی آزاد رہتے ہین،

معترض کہ سکتا ہے کہ اس فلسفیانہ بحث سے صرف چند فلسفی الطبع ہی افراد متاثر ہوسکتے ہین اور بس، لیکن در اصل اس رسالہ کی وسعت اثر کو انہین چند افراد پر تک محدود سمجھنا صحیح نہین اسلئے کہ اگر چند ممتاز اہل حکمت نے بھی اسکے اصول کو تسلیم کرلیا، اور اُنکے نزدیک قوانین اخلاق اور قوانین طبعی مین مصالحت ہوگئی، فضائل و رذایل اخلاق کے حدود زیادہ واضح و روشن ہوگئے علم و عمل مین رشتۂ اخوت قائم ہوگیا، اور دین فطرت کے ارکان، حقائق علمی کی منضبط و مستدل ثابت ہوگئے، تو اسکا اثر متعدی ہوکر ایک بڑے قطعۂ عالم تک پہیل جائیگا، دنیا مین نیکی کا اثر بڑھجائیگا، عقل و نقل کی تطبیق مشتبہ نہ رہیگی، اور مذہب کے ان احکام کے آگے سر اعتقاد خم کردینا ہوگا جو عقل بشری سے ماورا ہین،

آخر مین ناظرین سے میری گزارش یہ ہے کہ وہ مکالمات کو بغیر اول سے آخر تک مطالعہ کئے ہوے ان پر نکتہ چینی نہ کرین، بہت ممکن ہے کہ جو اعتراضات و شبہات کوئی ایک ٹکڑا دیکھکر انکے ذہن مین وارد ہورہے ہون، انکا جواب پوری کتاب پڑھنے کے بعد انہین از خود ملجائے، استدلال کی پوری قوت کا اندازہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب اسکے جملہ مقدمات پر نظر ہو جو ساری کتاب مین منتشر ہین، اسلئے پھر عرض ہے کہ کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور اسے اول سے آخر تک بالاستیعاب ملاحظہ کیا جائے، اور اگر مکرر نظر فرمائی جاے تو بہت سی مشکلات از خود رفع

ہو جائینگی، مزید سہولت تفہیم کے لئے اگر مصنف کی تصانیف ذیل بھی پیش نظر ہون تو بہت بہتر ہے، (۱) سوال نظریۂ مرایا، جو کئی سال ہوئے شائع ہو چکی ہے، اور (۲) مبادی علم انسانی، جسمین انہین مسائل مندرجہ مکالمات پر زیادہ تفصیل اور مزید شواہد کے ساتھ بحث کیگئی ہے،

جارج برکلے

جنوری سنہ ۱۷۱۳ء

مکالمۂ اول

اشخاص مکالمہ: فلونس (ف) وہائلس (ا)

ف - اہاہ، ہائلس ہین، تسلیم، یہ آج اتنے سویرے کہان نکل پڑے،

ا - ہان میرے لئے اتنے سویرے اُٹھنا تو واقعی ایک نئی بات، لیکن رات کو بعض خیالات مین کچھ ایسا منہمک رہا کہ نیند نہ پڑی، اور آج صبح تڑکے ہی باغ مین ہوا کھانے چلا آیا،

ف - غنیمت ہی کہ اسی بہانہ سے آپکو صبح اٹھنا تو نصیب ہوا، بھلا اسوقت کے لطف کا کیا پوچھنا، اور پھر خصوصاً اس موسم مین! یہ نیلگون آسمان، یہ پرندون کی زمزمہ سنجی، یہ درختون اور پھولون کی عطر بیزی، یہ طلوع آفتاب کا سہانا سمان، کوئی کہان تک گنائے، اسوقت کی ہر کیفیت روح کو وجد مین لانیکے لئے کافی ہے، دماغ کی تازگی بھی جیسی اسوقت ہوتی ہے اور کبھی نہین ہوتی، اور مسائل پر غور کرنیکے لئے تو باغ کی فضا اور صبح کے وقت سے بہتر کوئی موقع ہو ہی نہین سکتا، مگر آپ تو خود اسوقت کسی غور مین ڈوبے ہوئے تھے، مین ناحق مخلل انداز ہوا،

ا - نہین آپ خلل انداز بالکل نہین ہوئے، مین اسوقت ایک مسئلہ کی اُدھیڑ بُن مین ضرور تھا، اور چاہتا ہون کہ اُسے حل کر ڈالون، لیکن میرا دماغ بمقابلہ تنہائی کے مکالمہ مین زیادہ کام کرتا ہے،

اسلئے مہربانی کرکے آپ جائیے نہین بلکہ یہین موجود رہئے، تبادلۂ خیالات سے بہت سی گتھیان سلجھ جاتی ہین،

ف - مین بسرو چشم حاضر ہون، میرا خود بھی یہی حال ہے،

ا - مین ابھی یہ غور کر رہا تھا کہ ہر زمانہ مین کیسے عجیب لوگ پیدا ہوتے رہے ہین، جو محض اپنے تئین عام خلقت سے ممتاز کرنیکے لئے یا کسی اور عجیب و غریب سبب کی بنا پر یہ دعوی کر بیٹھتے ہین کہ اُنہین دنیا مین کسی شے کا یقین نہین، یا یہ کہ انتہائی مستبعد چیزون کا یقین ہے، انکی یہ بوالعجبی یا تشکیک اگر صرف انہین کی ذات تک محدود رہے تو بھی کوئی مضائقہ نہین، لیکن خرابی یہ ہے کہ عوام جب یہ دیکھتے ہین کہ ایسے لوگ جو انکے نزدیک ہمہ وقت علمی مشاغل مین مصروف رہتے ہین ہر شے سے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہین، یا ایسے خیالات ظاہر کرتے ہین جو مسلمات عامہ کے بالکل مخالف ہین، تو خواہ مخواہ وہ لوگ بھی اپنے دیرینہ مسلمات کو چھوڑ کر مہمات مسائل مین شک و شبہہ کرنے لگتے ہین،

ف - میرا بھی بالکل یہی خیال ہے کہ بعض حکماء کی یہ مصنوعی تشکیک اور خام خیالیان سخت مضر واقع ہوئی ہین، چنانچہ حال مین خود اس طرح کے بہت سے شاندار ڈھکوسلون کو چھوڑ کر عوام کے معتقدات و خیالات کا پابند ہو گیا ہون اور مین آپ سے بحلف عرض کر سکتا ہون کہ جب سے مین فلسفہ کی اس بھول بھلیان کو چھوڑ کر عام و معمولی زندگی کے سیدھے راستہ پر آ گیا ہون، یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھون کے آگے سے حجابات اُٹھ گئے ہین، اور صدہا غوامض و اسرار جو پیشتر لاینحل معلوم ہوتے تھے، اب حل ہو گئے ہین،

ا - الحمد للہ کہ مین نے آپکی بابت جو خبرین سُنی تھین وہ غلط نکلین،

ف - وہ خبرین کیا تھین؟

ا - رات کو یہ ذکر ہو رہا تھا کہ آپ ایک نہایت ہی عجیب عقیدہ کے قائل ہین، یعنی یہ فرماتے ہین کہ دنیا مین جوہر مادی کا کوئی وجود ہی نہین،

ف - ہان یہ تو میرا واقعی خیال ہے کہ فلاسفہ جس شے کو جوہر مادی کہتے ہین وہ معدوم ہے، اور اگر کوئی میرے اس خیال کی غلطی مجھپر ثابت کردے تو آج مین اسکے چھوڑنے کیلیئے تیار ہون،

ا - معاذاللہ! کیا آپکے نزدیک اس سے بھی بڑھکر کوئی مہمل، کوئی مستبعد اور کوئی مشکّکانہ خیال ہو سکتا ہے کہ مادّہ کا وجود ہی نہین!

ف - ذرا ٹھہریئے، اسقدر عجلت سے کام نہ لیجئے، اگر یہ ثابت ہوجاے کہ آپ جو وجود مادہ کے قائل ہین، مجھسے زیادہ مستبعد، مجھسے زیادہ محال، اور مجھسے زیادہ مشکّکانہ عقیدہ کے پابند ہین، تو؟

ا - اس عقیدہ سے تشکیک واستحالہ کا لازم آنا تو ایسا ہی ہے، جیسے کوئی یہ ثابت کرنا چاہے کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے،

ف - اچھا تو آپ اسی راے کو اختیار کیجئگا جو مستبعاد و تشکیک کی آمیزش سے بالکل پاک ہو؟

ا - یقیناً - مگر آپ فرمایئے تو، دیکھون تو کہ آپ اسقدر کُھلی ہوئی حقیقت کی کیونکر تردید کرتے ہین،

ف - اچھا پہلے یہ فرمایئے کہ آپ مشکّک کا کیا مفہوم لیتے ہین؟

ا - وہی لیتا ہون جو ساری دنیا لیتی ہے، یعنی ایسا شخص جو ہر اَمر مین شک کرتا ہے،

ف - تو اگر کسی شخص کو کسی مسئلہ کے متعلق کوئی شک وشبہہ نہو تو وہ تو اسکے باب مین مشکّک کہا جائیگا

ا - نہین، ہرگز نہین،

ف - مگر شک کے یہ معنی تو نہین کہ وہ اسکے نفی یا اثبات کسی پہلو کا قائل ہو؟

ا - ظاہر ہے کہ یہ معنی کیونکر ہو سکتے ہین، یہ تو ایک عامی بھی بتا سکتا ہے کہ شک کے معنی نفی واثبات کے درمیان تذبذب کے ہین،

ف - تو اگر کوئی شخص کسی مسئلہ کا منکر ہے تو وہ شک وتذبذب سے اسی قدر بعید ہے جتنا اُسکا قائل،

ا - یقیناً -

ف - اسلیے اِنکار کی بنا پر آپ کسیکو مشکّک نہین کہہ سکتے،

ا - یہ تو ظاہر ہے،

ف - پھر یہ فرمایئے کہ انکار مادّہ کی بنا پر آپ مجھے مشکّک کس طرح قرار دیتے ہین؟ درآنحالیکہ مین وجود مادّہ سے انکار اسی قطعیت کے ساتھ کرتا ہون جس سے آپ اسکا اقرار کرتے ہین،

ا - خیر گفتگو مین اسقدر زبان نہ پکڑنا چاہیئے، مشکّک کی تعریف مین مجھسے ذرا فروگذاشت ہوگئی میرا مدعا یہ تھا کہ مشکّک وہ ہے جو ہر شے مین شک کرے یا حقائق اشیاء کا منکر ہو،

ف - لیکن "اشیاء" سے آپکی کیا مراد ہے؟ کیا علوم کے اصول اوّلیہ بھی اسمین شامل ہین؟ حالانکہ یہ تو محض مسلّمات ذہنی ہین، خارج سے انہین کیا علاقہ؟ اور مادّہ کا انکار انکے انکار کا کیونکر مستلزم ہوگا

ا - خیر انہین نکال دیجئے، لیکن اور اشیاء کی بابت کیا کہیئگا؟ حواس پر بے اعتباری، اشیاء محسوسہ کے وجود حقیقی سے انکار، اور انسے متعلق لاادریت کے اظہار کو کیا کیجئگا؟ کیا یہ خیالات کسیکو مشکّک قرار دینیکے لئے کافی نہین؟

ف - اچھا تو اب مدار بحث یہ ٹھہرا کہ محسوسات کے وجود سے انکار، یا انکی بابت لاادریت کن عقاید سے لازم آتی ہے، اور جسکے عقاید سے یہ لازم آئیگی وہی اصلی مشکّک قرار پائیگا،

ا - بیشک -

ف - اشیاء محسوسہ سے آپکی کیا مراد ہے؟

ا - وہ چیزین جو حواس سے دریافت ہوسکین، ظاہر ہی کہ اسکے سوا اور کیا معنی ہوسکتے ہین؟

ف - معاف کیجئگا، آپکی تعریف مین ذرا ابہام رہ گیا، بحث کا تصفیہ جلد جبھی ہوسکتا ہی کہ ہر اَمر کا

بیان واضح ہو، اسلئے مہربانی کرکے یہ تو فرمائیے کہ اشیاء محسوسہ مین آیا آپ صرف انہین چیزون کو رکھتے ہین جو براہِ راست حواس سے دریافت ہوتی ہین، یا ان چیزون کو بھی شامل کرتے ہین جو بالواسطہ محسوس ہوتی ہین،

ا- مین اس تفریق کو صاف طور پر نہین سمجھا،

ف - فرض کیجیے، مین اسوقت کوئی کتاب پڑھ رہا ہون، اُسکے حروف مجھے براہ راست محسوس ہورہے ہین، لیکن اسمین جو الفاظ ہین، مثلاً خدا، حقیقت، نیکی وغیرہ انکے مفاہیم ذہن مین بالواسطہ داخل ہورہے ہین، اچھا اب حروف کے اشیاء محسوسہ کی تعریف مین داخل ہونے مین تو شبہہ ہو ہی نہین ہوسکتا، اب گفتگو جو کچھ ہے وہ اُنکے مفاہیم کے بارہ مین ہے، کیا آپ انہین بھی محسوسات مین رکھینگے؟

ا- ہرگز نہین، خدا، حقیقت، نیکی وغیرہ کو محسوسات مین شمار کرنا بداہتہً مہمل ہے، یہ تو صرف وہ مفاہیم ہین جو علامات محسوسہ کی وساطت سے ایک مصنوعی طور پر ہمارے ذہن مین پیدا ہوئے ہین،

ف - نتیجہ یہ نکلا کہ آپ صرف انہین چیزون کو محسوسات مین داخل سمجھتے ہین جو براہ راست حواس سے دریافت ہوتی ہین،

ا- جی-

ف - اچھا تو اب اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر بالفرض آسمان کا ایک حصہ ہمکو سرخ دکھائی دے، اور دوسرا نیلا، اور ہماری عقل ہمین یہ بتائے کہ اس تنوع الوان کا کوئی سبب ضرور موجود ہے تو یہ سبب ایک غیر محسوس شے ہوگی، اسلئے کہ ظاہر ہے یہ علت براہِ راست ہمارے آلہ ابصار سے محسوس نہین ہوئی،

ا- ہان یہ نتیجہ یقیناً نکلتا ہے،

ف - علیٰ ہذا مختلف آوازون کے سننے کے بعد مین کہہ سکتا ہون کہ ان آوازون کے علل میرے لئے غیر مسموع ہین،

ا- بیشک،

ف - اسی طرح بذریعہ لمس جب ہم کسی شے کو گرم و وزنی محسوس کرتے ہین، تو یہ نہین کہہ سکتے کہ اسکی حرارت و وزن کی علت کو بھی ہم محسوس کر رہے ہین،

ا- آپ کے اس طرح کے سارے سوالات کا مختصر جواب یہ ہے کہ اشیاء محسوسہ سے صرف وہی چیزین مراد ہین جو حواس سے دریافت ہوتی ہین، کیونکہ واقعہ ہے کہ حواس سے جب کسی شے کو دریافت کرینگے، براہ راست ہی دریافت کرینگے، انکا کام صرف احساس ہے، استنتاج نہین، نتائج سے اسباب کا استنباط تمامتر عقل کا کام ہے،

ف - تو ہمارے آپکے اسپر اتفاق ہے کہ اشیاء محسوسہ صرف وہی ہین جو حواس سے براہِ راست دریافت ہوتی ہین، اب یہ فرمائیے کہ آیا ہم آنکھ سے بجز روشنی، رنگ و شکل کے یا کان سے سوا آواز کے، کام و دہن سے سوا ذائقہ کے، ناک سے سوا بُو کے، اور ہاتھون سے سوا ملموسات کے کوئی اور شے بھی دریافت کرسکتے ہین؟

ا- نہین، اور کچھ نہین،

ف - تو غالباً آپکا مطلب یہ ہے کہ اگر اعراض محسوسہ سلب کرلئے جائین تو کوئی شے محسوس باقی نہ رہجائیگی،

ا- ہان بالکل یہی،

ف - گویا اشیاء محسوسہ صرف اعراض محسوسہ کا مجموعہ ہوتی ہین،

ا- اور کیا-

(۹) ف - آپ حرارت کو ایک محسوس شے مانتے ہین؟

ا- یقیناً-

ف - اشیاء محسوسہ کا وجود صرف انکے محسوسات ہی کا نام ہے، یا یہ اسکے علاوہ کوئی اور

شے ہے جو نفس بشری سے بے علاقہ ہے،

ا - "وجود" و "محسوسیت" مین بڑا فرق ہے، کسی شے کا موجود ہونا اور بات ہے، اور اُسکا محسوس ہونا اور ہے،

ف - یہان ذکر صرف اشیاء محسوسہ کا ہے، انکی بابت آپ فرمائیے کہ کیا انکا وجود انکی محسوسیت کے علاوہ، اور ذہن سے خارج کوئی اور شے ہے؟

ا - یقیناً انکا وجود مستقل وقائم بالذات ہے، جسے انکی محسوسیت سے کوئی تعلق نہین،

ف - تو حرارت کا بھی، نفس سے خارج ایک مستقل وجود ہوگا،

ا - ظاہر ہے،

ف - اچھا تو اب یہ ارشاد ہو کہ حرارتِ محسوس کے مختلف مدارج مین اسکا یہ وجود حقیقی، مساوی طور پر رہتا ہے، یا اسکے بعض درجون مین ہوتا ہے، اور بعض مین نہین ہوتا، اگر یہ آخری شق صحیح ہے تو اسکا سبب کیا ہے؟

ا - حرارتِ محسوس کے مدارج کتنے ہی مختلف ہون، نفس حرارت کا وجود تمام گرم اجسام مین یکسان ہوتا ہے،

ف - کیا! زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم گرم اجسام مین نفس حرارت کا وجود یکسان رہتا ہے!

ا - بیشک، اور اسکی وجہ صاف ہے، یعنی یہی کہ دونون صورتون مین حواس ہی سے دریافت ہوتی ہے، بلکہ جب حرارت کا درجہ زیادہ ہوتا ہے تو محسوس بھی زیادہ نمایان طور پر ہوتی ہے، اور اسلئے اگر مدارج مین اختلاف ہوتا ہے، تو ہم گرم جسم کی حرارت کے وجود حقیقی کو اس سے کمتر جسم کی حرارت سے زیادہ یقینی سمجھتے ہین،

ف - لیکن کیا نہایت شدید حرارت ایک سخت اذیت نہین ہوتی؟

ا - اسکا کون منکر ہے؟

ف - کیا کوئی غیر حاس جسم اذیت و راحت کو محسوس کر سکتا ہے؟

ا - ظاہر ہے کہ نہین،

ف - آپ جس شے کو "جوہرِ مادی" سے موسوم کرتے ہین وہ ایک غیر حاس شے ہے، یا صاحبِ حس و ادراک ہے،

ا - یقیناً غیر حاس ہے،

ف - اسلئے وہ درد و اذیت کا احساس نہین کر سکتی،

ا - کُھلی ہوئی بات ہے،

ف - اور اسی لئے انتہائی شدید حرارت کا بھی احساس نہین کر سکتی ہے، جو بقول آپکے "درد و اذیت" ہی کی ایک شکل ہے،

ا - یہ بھی سہی،

ف - اب آپکے نزدیک "جسم خارجی" کیا شے ہے؟ جوہر مادی ہے یا نہین؟

ا - یقیناً جوہر مادی ہے جو اعراض محسوسہ کا حامل ہے،

ف - یہ ارشاد ہو کہ اسمین شدید حرارت کا کیونکر وجود ہو سکتا ہے؟ آپ ابھی تسلیم کر چکے ہین کہ جوہر مادی مین اسکا وجود نہین ہو سکتا،

ا - ذرا توقف کیجیے مین نے "حرارت شدید" کو "درد و اذیت" کا مرادف تسلیم کر لینے مین غلطی کی تھی، در اصل یہ اذیت حرارت کا نتیجہ یا معلول ہوتی ہے، اور اس سے بالکل علحدہ ایک شے ہے،

ف - آپ جب آگ کے پاس ہاتھ لیجاتے ہین تو صرف ایک حس ہوتا ہے، یا دو علحدہ حس ہوتے ہین،

ا - ایک،

ف - حرارت کا؟

ا - ہان،

ف - اور تکلیف کا؟

ا - اسکا بھی،

ف - تو ثابت یہ ہوا کہ حرارت شدید اور اذیت دو علحدہ چیزین، اور ایک دوسرے کی علت و معلول نہین، بلکہ دونون ایک ہی حقیقت کی دو تعبیرین ہین، اور دونون ایک ہی وقت مین اور معاً محسوس ہوتی ہین،

ا - ہان اب تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے،

ف - اب ذرا خیال کیجئے کہ کسی شدید حس کا بغیر لذت یا الم کی آمیزش کے پیدا ہونا ممکن ہے؟

ا - میرے خیال مین تو نہین،

ف - یا پھر آپکے ذہن مین کسی مجرد لذت والم محسوس کا تصور پیدا ہو سکتا ہے، جو گرمی، سردی، ذائقہ، خوشبو وغیرہ سب سے معرّیٰ ہو،

ا - میرے ذہن مین تو یہ بھی نہین آسکتا،

ف - کیا اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ اذیت محسوس انہین شدید حسیات کا نام ہے؟

ا - نتیجہ تو بے شبہہ یہی نکلتا ہے، بلکہ اب تو مین اس شک مین پڑگیا کہ آیا حرارت شدید کا وجود ایک ذہن حاس سے علحدہ کبھی بھی ممکن ہے؟

ف - این! آپ بھی مشککون کی سی باتین کرنے لگے، انہین کا سا نفی و اثبات کے درمیان تذبذب ہونے لگا،

ا - تذبذب کیا معنی، اب تو مجھے اسکا یقین ہو گیا کہ شدید تکلیف دہ حرارت ذہن سے خارج نہین موجود ہو سکتی،

ف - تو اب اسکا وجود خارجی، وجود حقیقی باطل ٹھہرا،

ا - ہان اب تو مین اسکا قائل ہو گیا،

ف - کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہو گا کہ کائنات مین کوئی گرم جسم موجود فی الخارج نہین؟

ا - نہین، گرم اجسام کے وجود خارجی کا منکر نہین، مین صرف اسکا قائل ہوا ہون کہ کائنات مین حرارت شدید کا کوئی وجود خارجی نہین،

ف - لیکن آپ پہلے تسلیم کر چکے ہین کہ حرارت کے جملہ مدارج کا وجود یکسان حقیقی ہے، اور اختلاف مدارج کی صورت مین کثیر کا وجود بمقابلہ قلیل کے زیادہ حقیقی ہے،

ا - ہان اسوقت مین نے بیشک یہ تسلیم کرلیا تھا، لیکن اب مجھے یہ نظر آتا ہے کہ چونکہ حرارت شدید، اذیت ہی کی ایک شکل کا نام ہے، اور اذیت چونکہ جسم حاس ہی مین ہو سکتی ہی اسلئے حرارت شدید کا وجود کسی غیر حاس و غیر مدرک مادہ مین نہین ہو سکتا، تاہم مین اسکا قائل نہین کہ مادہ یعنی خارج مین معمولی درجہ کی حرارت کا وجود نہین ہو سکتا،

ف - لیکن آپکے پاس معیار کیا ہے جس سے آپ مدارج حرارت موجود فی الخارج کو مدارج حرارت موجود فی الذہن سے علحدہ کرینگے؟

ا - یہ تو کوئی مشکل مسئلہ نہین، اذیت خواہ کسی درجہ کی ہو، بہرحال غیر محسوس نہین رہ سکتی ہمیشہ اسکا وجود ذہنی ہوگا، اسلئے حرارت کے جو مدارج پُر اذیت ہوتے ہین وہ ذہنی ہوتے ہین، لیکن باقی ممکن ہی کہ موجود فی الخارج ہون،

ف - آپ غالباً پیشتر تسلیم کر چکے ہین کہ جسم غیر حاس مین جس طرح اذیت کا وجود نہین ہو سکتا

اسی طرح راحت ولذت کا بھی نہین ہوسکتا،

ا - ہان اسپر مین قائم ہون -

ف - مگر کیا حرارت اپنے خفیف درجہ مین خوشگوار نہین ہوتی؟

ا - اچھا تو ؟

ف - تو یہ کہ جسم غیر حاس مین اسکا وجود بھی نہین ممکن ہی، اسکا وجود بھی ہمیشہ ذہنی ہوگا -

ا - آگے کہئیے -

ف - نتیجہ یہ نکلا کہ حرارت خواہ بُرا ذیت درجہ تک ہو، خواہ اس سے کم ہو، بہرحال دونون صورتون مین ذہنی ہی رہیگی، خارج یعنی مادہ غیر حاسّ وغیر مدرک مین اسکا وجود کبھی بھی نہوگا،

ا - لیکن یہ ضروری نہین کہ غیر معتدل گرمی چونکہ سخت ناگوار وتکلیف دہ ہوتی ہے اسلئے معتدل گرمی اُسیقدر خوشگوار ہو،

ف - مجھے اس سے بحث نہین کہ وہ کسقدر خوشگوار ہوتی ہے، وہ اگر کچھ بھی خوشگوار ہوتی ہے تو بھی میرا مقصود حاصل ہے،

ا - میرا خیال تو یہ ہے کہ معتدل گرمی کو نہ خوشگوار کہہ سکتے ہین نہ ناگوار، یہ ایک سلبی کیفیت ہوتی ہے، جو دونون سے مُعرّیٰ ہوتی ہے، اوراس کیفیت کے وجود خارجی کے شاید آپ بھی منکر نہون،

ف - سوا اسکے کہ آپ خود اپنے ہی تجربہ کی طرف رجوع کیجئے اور کس طرح مین آپکو اسکا قائل کرسکتا ہون، معتدل حرارت خوشگوار ہوتی ہے، لیکن ہان یہ تو فرمائیے کہ سردی کی بابت آپکا کیا خیال ہے،؟

ا - وہی جو گرمی کی بابت ہے، شدید سردی ایک تکلیف دہ شے ہے، اور تکلیف کا

وجود چونکہ ذہنی ہے، اسلئے شدید سردی کا وجود بھی محض ذہنی ہے، لیکن معتدل سردی کا لامحالہ وجود ذہنی قرار دینے کی کوئی وجہ نہین،

ف - گویا جن اجسام مین معتدل گرمی یا معتدل سردی محسوس ہوتی ہے، انکے متعلق ہمین یہ سمجھنا چاہیے کہ ان مین علی الترتیب گرمی وسردی کا وجود خارجی موجود ہے،

ا - بالکل یہی،

ف - کسی مسئلہ کے تسلیم کرنے سے اگر استحالہ لازم آتا ہو تو آپ اُسے صحیح قرار دیسکتے ہین؟

ا - قطعاً نہین،

ف - کیا آپکے نزدیک یہ امر محال نہین کہ ایک شے ایک ہی وقت مین گرم بھی ہو اور سرد بھی،

ا - یہ یقیناً محال ہے،

ف - فرض کیجئے آپکا ایک ہاتھ گرم ہے اور ایک سرد، اور آپ دونون کو ایسے پانی مین ڈال رہے ہین جو نہ زیادہ گرم ہے اور نہ زیادہ سرد، تو کیا آپکو ایک ہی وقت مین (دو مختلف ہاتھون کی وساطت سے) پانی گرم وسرد دونون نہ معلوم ہوگا؟

ا - ہان ہوگا تو،

ف - اور ایک شے کا ایک ہی وقت مین گرم وسرد ہونا آپ ابھی محال تسلیم کرچکے ہین،

ا - جی -

ف - معلوم یہ ہوا کہ جس مسئلہ کی بنا پر یہ تناقص یا استحالہ لازم آتا ہے، وہی سرے سے غلط ہے، آپ خود اقرار کرچکے ہین کہ جو مقدمات ایک نتیجۂ محال تک پہنچاتے ہین وہ صحیح نہین ہوسکتے،

ا - بہرحال یہ دعوی کیا کم محال ہے کہ آگ مین حرارت کا وجود نہین ہوتا،

ف - اس مسئلہ کو صاف کرنیکے لئے ذرا یہ بتایئے کہ کیا دو بالکل یکسان واقعات پر مین ایک ہی حکم نہ لگانا چاہیئے ،

ا - بیشک لگانا چاہیئے ،

ف - اگر ایک سوئی ہماری انگلی مین چُبھوئی جائے تو کیا ہمارے گوشت کے ریشون کو نہ بیمار کریگی ؟

ا - یقیناً ،

ف - اور اگر انگلی آگ سے جلجائے تو کیا ہوگا ؟

ا - تو بھی یہی ہوگا ،

ف - لیکن چُبھن ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ سوئی مین نہین بلکہ جسم مین ہوتی ہے ، پھر کیا وجہ ہے کہ سوزش کو آپ آگ سے منسوب کرتے ہین ، اُسے بھی جسم ہی پر مشروط رکھیئے ،

ا - خیر اسکا تو مین قائل ہوگیا کہ گرمی و سردی کا وجود خارجی نہین بلکہ محض ذہنی ہے لیکن ابھی اور اعراض باقی ہین ، جنکے وجود خارجی کی کوئی تردید نہین ہو سکتی ،

ف - لیکن اگر یہ ثابت ہوجاے کہ گرمی و سردی کی طرح جملہ اعراض کا وجود محض ذہنی ہوتا ہے تو ؟ ،

ا - تو بیشک آپ اپنے اصلی دعوے مین کامیاب ہو جائینگے ، لیکن مین نہین سمجھتا کہ آپ یہ کسی طرح ثابت کر سکتے ہین ،

ف - اچھا تو ان اعراض کو ایک ایک کرکے لیجئے ، ذائقہ سے متعلق انکا کیا خیال ہے ؟ اسکا وجود محض ذہنی ہوتا ہے یا خارجی ؟

ا - یہ تو ہر صحیح الحواس شخص کہیگا کہ شکر فی نفسہ شیرین اور افسنتین تلخ ہوتا ہے ،

ف - مگر یہ تو فرمایئے کہ شیرینی ایک خوشگوار احساس ہوتی ہے ، یا نہین ،

علامہ شبلی کی تیسری برسی

۱۸ نومبر کی صبح

آفتاب ہر سال ۳۶۰ بار طلوع اور غروب ہوتا ہے ، لیکن جب ۱۸ - نومبر کی صبح آتی ہے تو چرخ نیلگون ایک اور طبق خونین کو اچھالتا ہے جسکی طرف ناسخ نے مدتون پہلے اشارہ کردیا تھا ،

مرا سینہ ہے مطلع آفتاب داغ ہجران کا

مولانا کی وفات کے دن دار المصنفین کا دفتر اور اسکا تمام کاروبار بند ہوجاتا ہے اور دوپہر کو رسم فاتحہ خوانی ادا کیجاتی ہے ، اس دفعہ بھی حسب معمول دار المصنفین بند ہوا ، اور دقت معین پر قرآن خوانی کیگئی ، رسم فاتحہ کے بعد قاضی محمد عبدالرحمن صاحب حیرت نے خاص مولانائے مرحوم کے لہجہ مین اپنا لکھا ہوا مرثیہ پڑھا ، حافظہ نے نقش تخیل باندھا تو خود مولانائے مرحوم کو سامنے کھڑا پایا ، حاضرین بیحد متاثر ہوے ، دردمندون کی آنکھون سے آنسو جاری تھے ، استاذ مرحوم نے کہا تھا ،

وقتے کہ زجان دادن شبلی خبر آمد
لب را ز تبسم نتوانست نگہ داشت

اگر وہ واقعاً موجود ہوتے تو دیکھتے کہ لب تبسم سے نہین بلکہ آہ و فریاد سے باز نہ رہ سکے ، اور باوجود اسکے کہ اس زخم کو تین برس دو مہینے گذر چکے ہین ، لیکن ابتک وہ بھرا نہین ہے ، تسکین ہے تو اس سے ہے کہ گو وہ زندہ نہین ، لیکن انکا کام زندہ ہے ، اور خدا نے اُنکے اس دعوی کو جھوٹا نکیا ،

سالہا گوش جہان زمزمہ را خواہد بود
زین نواہا کہ درین گنبد گردان زدہ ام

کیا انسان کی اجتماعی زندگی ترقی کر رہی ہے؟

(ماخوذ از المقتطف)

بعض لوگون کا خیال ہے کہ اس زمانہ مین اجتماع انسانی اپنی آخری منزل تک پہنچگیا ہے اور انسانیت نے اسقدر ترقی کر لی ہے کہ اب اسکے آگے کوئی درجہ نہین، کیونکہ علم و عقل نے فطرت کے تمام راز ہاے سربستہ کھول دیئے ہین، اور ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کر دیا ہے، جو سعادت بشری کا متکفل ہوگیا ہے، لیکن علمی دلائل اور فطرتی موثرات انکے اس خیال کی تائید نہین کرتے،

عام طور پر لوگ سمجھتے ہین کہ فطرت خود زندگی کی محافظت کرتی ہے لیکن درحقیقت یہ انکی غلطی ہے، فطرت بسا اوقات اجتماعی زندگی کی دشمن بنجاتی ہے، حیوانات اپنے بچون کو مار ڈالتے ہین، انسان اسقاط و عدم استقرار حمل کی تدبیرین اختیار کرتا ہے، اس معاملہ مین انسان کو حیوانات پر صرف اسقدر تقدم و فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہین کرتا بلکہ طبی اور علمی تدابیر سے افزائش نسل مین کمی کرنا چاہتا ہے، اس لحاظ سے اگرچہ اجتماع خاندانی مین اس نے حیوانات سے زیادہ ترقی حاصل کر لی ہے، تاہم حیوانیت کا شائبہ اسمین ابتک باقی ہے،

درحقیقت یہ نہایت عجیب بات ہے کہ موجودہ زمانہ کی ترقی یافتہ اجتماعی زندگی مین تقلیل نسل کا میلان شدت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، وحشی اور کم درجہ کی متمدن قومون مین اسقاط حمل کے ذریعہ سے یہ خواہش پوری کیجاتی ہے، اور اعلی درجہ کی متمدن قومین عدم استقرار حمل کی تدبیرین اختیار کرتی ہین، اسقاط حمل کا رواج نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے،

فلاسفہ یونان بعض مخصوص حالات مین اسکو جائز سمجھتے تھے، اور یہود و ایرانی اسپر لوگون کو سزائین دیتے تھے، ہنود مین جو قومین آزاد ہین، ان مین کثرت سے اسکا رواج ہے، اور جو ہندو زیر سایہ دولت برطانیہ زندگی بسر کرتے ہین ان مین بھی اسکی کمی نہین، بہت سے ہندو علانیہ اس جرم کا ارتکاب کرتے ہین اور کسی دار و گیر کی مطلق پروا نہین کرتے،

اگر پست درجہ قومون مین اسکا رواج باقی رہا تو ہمکو اعتراف کرنا پڑیگا کہ فطرت حیوانی کا یہ خاصہ ان مین نہایت شدت کے ساتھ موجود ہے، اور جب تک انسانیت کامل طور پر ترقی نہ کر لے اسکے نتائج کا استیصال نہین ہوسکتا، لیکن بڑی مصیبت یہ ہے کہ خود ترقی یافتہ قومون مین اسکا وجود اسپر دلالت کرتا ہے کہ انسان کا یہ طبعی خاصہ ہے، اسلئے انسانیت کتنی ہی ترقی کر جائے وہ اس سے منفک نہین ہوسکتا، قانون کی اس سخت گیری کے بعد بھی ترقی یافتہ قومون مین اس جرم کی کمی نہین، ترکون کا خیال ہے کہ بچے کی حقیقی زندگی پانچین مہینہ سے شروع ہوتی ہے، اسلئے وہ اس سے پہلے اسقاط حمل کو کوئی جرم ہی نہین سمجھتے لیکن اسکے بعد بھی جبکہ یہ فعل خود انکے نزدیک داخل جرم خیال کیا جاتا ہے، وہ اسکے ارتکاب سے باز نہین آتے، چنانچہ ۱۸۶۲ء مین صرف دس مہینے مین قسطنطنیہ کے حکام نے اسقاط حمل کے تین ہزار مقدمات کا فیصلہ کیا، یورپ مین چونکہ اس معاملہ مین مشرقی ممالک سے زیادہ سخت گیری کیجاتی ہے، اور اسکے ساتھ حرامی بچون کی پرورش کا پبلک انتظام بھی موجود ہے اسلئے وہان اسقاط حمل کا رواج کم ہے اور حرامی بچون کی کثرت ہے،

درحقیقت اس زمانہ مین تقلیل نسل کا میلان افسوسناک حد تک ترقی کر گیا ہے، غیر متمدن عورتون کی طرح متمدن عورتین بھی اسقاط حمل پر فخر کرتی ہین، اور یہ عذر پیش کرتی ہین کہ وہ موجودہ تمدنی دور مین کسی بڑے کنبے کی پرورش کر ہی نہین سکتین، اس زمانہ مین عام طور پر

لوگ ایک دو بچے سے زیادہ اولاد پسند نہین کرتے، حیوانات اگرچہ اسقاط حمل کی تدبیرین اختیار نہین کرسکتے لیکن وہ اسکے بجاے اپنی اولاد کو قتل کرڈالتے ہین، یہ فطری عیب حیوانات سے منتقل ہوکر انسان مین بھی سرایت کرگیا ہے، اسلئے وہ اسقاط و عدم استقرار حمل سے گذر کر بچون کا گلا گھوٹنے مین بھی تامل نہین کرتا، یونانیون اور رومیون کے یہان صغیر السن بچون کو زندگی سے متمتع ہونے کا قانونی حق حاصل نہ تہا، جرمن اپنی اولاد کو خود چھوڑ کر الگ ہوجاتے تھے، زمانۂ جاہلیت مین اہل عرب اپنی لڑکیون کو زندہ دفن کردیتے تھے، ہندو اور چینی تقریبًا دو ثلث لڑکیون کو مار ڈالتے تھے، اور پست درجہ قومون مین ابتک اسکا رواج باقی ہے، ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے مظاہر مین خاندانی زندگی ترقی کے بجاے تنزل کررہی ہے،

جو قومین صفحۂ ہستی سے مٹ گئین، اگر ہم انکے بربادی کے اسباب کا پتہ لگائین تو اسکا اصلی سبب خاندانی زندگی کا یہی طبعی ضعف ہوگا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس اصول کے موافق خود تمام نوع انسان کو فنا ہوجانا چاہیئے تہا، کیونکہ تقلیل نسل کا خاصہ اگرچہ فطرۃً انسان مین موجود ہے، اور کبھی کبھی وہ ترقی کرکے بعض قومون کو کلیتہً فنا بھی کردیتا ہے، تاہم باوجود اسکے انسانی نسل اسقدر باقی رہتی ہے جو نوع انسان کو معدوم ہونے نہین دیتی، علمی ترقی کی بناپر امید ہے کہ آیندہ زمانہ مین ایسا سادہ، آسان اور سہل نظام زندگی قائم ہوسکیگا کہ خاندانی زندگی مین وسعت پیدا ہوگی، اور تقلیل نسل کا میلان کم ہوجائیگا، بے شبہ اور بیشک انسان ایک اجتماعی مخلوق ہے، اور اجتماعی روح اگرچہ اُسمین نوزائیدہ ہے، تاہم وہ اس حیثیت سے تمام حیوانون سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، یہانتک کہ بندر جو انسانون سے بہت زیادہ مشابہ ہے وہ بھی اسمین اُسکا مقابلہ نہین کرسکتا بعض پالو بندر اگرچہ اس قسم کے محبت آمیز جذبات کا

اظہار کرتے ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اجتماعی زندگی بسر کرنیکی صلاحیت رکھتے ہین، تاہم وہ اپنی وحشیانہ حالت مین صرف خاندانی زندگی بسر کرسکتے ہین، اپنی کوئی عام جماعت نہین قائم کرسکتے، لیکن وحشی سے وحشی انسان بھی بندرون سے زیادہ اجتماعی زندگی کا دلدادہ نظر آتا ہے، انسان کی اس فطرت اجتماعی نے فلاسفہ کو یقین دلادیا کہ وہ انسان کا خاصہ طبعی ہے، اسلئے اسکو سعادت انسانی کا قاعدۂ اساسی بنایا جاسکتا ہے، اس بناپر انھون نے علمی اصول پر ایک اخلاقی نظام قائم کیا جس پر قدیم زمانہ سے آج تک اعتماد کیا جاتا ہے، مادیین مین بخنر کا خیال ہے کہ "اخلاقی احساس صرف انسان کی فطرت اجتماعی سے پیدا ہوا ہے، اور جماعت ہی کے خیالات و ضروریات سے وہ متاثر ہوتا ہے، اگر انسان کو جماعت سے الگ کرلیا جاے تو اسکی حقیقت ایک درندہ جانور سے زیادہ نہوگی، اس بناپر صرف اجتماعی زندگی انسان پر اجتماعی فرائض عائد کرتی ہے، اور انھی فرائض کی بناپر خاص اخلاقی اصول قائم کئے جاتے ہین"

مدتون لوگ اس خیال کو صحیح سمجھتے تھے، چنانچہ ہکل کہتا ہے کہ "فرائض کا احساس قانون پر موقوف نہین ہے، بلکہ اسکا دار و مدار صرف فطرت اجتماعی پر ہے جو تمام ترقی یافتہ اجتماعی زندگی بسر کرنے والے حیوانات مین پائی جاتی ہے" اخلاقی حیثیت سے اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ انانیت اور غیریت کے ساتھ اسکو منطبق کیا جائے، یعنی اپنے ساتھ غیرون کی بھی محبت کیجاے، پس اگر انسان بہترین نظام اجتماعی کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو اسکا فرض ہے کہ اپنی اور اپنی جماعت کی سعادت اور فیروزبختی کے لئے یکسان طور پر کوشش کرے، اور یہ سمجھے کہ جماعت کی کامیابی، اسکی کامیابی، اور جماعت کی بدبختی اسکی بدبختی ہے" اصلی، سادہ اور فطرتی اجتماعی قانون یہی ہے، اور ہم علمی حیثیت سے اسکی مخالفت نہین کرسکتے، لیکن

اس زمانہ کے علما اس رائے کو صحیح نہین سمجھتے کیونکہ انکے نزدیک خود انسان کی فطرت اجتماعی مین کمزوریان موجود ہین، اسلئے ہم اسکو اپنا رہ نما نہین بنا سکتے ہکسلے نے جس اخلاقی نظام کو فطرت اجتماعی کی طرف منسوب کیا ہے، وہ درحقیقت قوت عاقلہ کی ترقی کا نتیجہ ہے کیونکہ ہم نے اوپر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، کہ فطرت اجتماعی خود اپنی ترقی کی راہ مین کانٹے بچھاتی ہے، جو فطرت اجتماعی انسان کو بیوی اور بچے کی محبت پر مجبور کرتی ہے، وہی انسان کو اسقاط، عدم استقرار حمل، اور اولاد کے قتل پر بھی آمادہ کرتی ہے، خود اسی سوسائٹی مین جو فطرت اجتماعی کا بہترین مظہر ہے، ایسے قاتل، ایسے سفاک، اور ایسے ڈاکو پیدا ہوتے ہین، جنکی اخلاقی خصوصیات اس سوسائٹی سے بالکل مختلف ہوتی ہین اور ان مین باہم سخت موانست و یگانگی پائی جاتی ہے، بس یا تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہر انسان مین طبعاً فطرت اجتماعی کا وجود نہین ہے، یا کہ ہر جماعت کی فطرت اجتماعی مختلف ہے، اس بنا پر صرف وہی اجتماعی زندگی انسان کو اعمال مشترکہ کے انجام دینے کے قابل بنا سکتی ہے جس مین تضامن عام پایا جاتا ہے، یعنی جو شخص، ہر فرد، اور ہر طبقے کی کفیل ہو سکتی ہو، اگر ایسا نہین ہو تو انسان کی اجتماعی زندگی درجہ کمال تک نہ پہنچ سکیگی،

لیکن یہ نہایت عجیب بات ہے کہ اس زمانہ مین علم اور تمدن دونون اگرچہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے ہین، لیکن انسان کی فطرت اجتماعی ابتک ناقص ہے، یہ تمدنی نظریات مین ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے، اور ابتک عقل و مذہب دونون نے اسکی عقدہ کشائی نہین کی ہے، کیونکہ فطرت اجتماعی کے نظام کا اختلال اور اسکی بے ترتیبی انسان کے دماغ کو پریشان رکھتی ہے، وہ اس فطرت کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہے، لیکن اس تذبذب مین مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے میلان طبع کو صرف اپنے اعزۂ اقارب، اور

ہم مذہب لوگون تک محدود رکھے، یا صرف اپنے ہم خیال اور ہم پیشہ اشخاص سے میل جول پیدا کرے، یا اسمین تمام دنیا کو، کالے کو، گورے کو، نیک کو، بد کو سبکو شریک کرلے؟ یہ ایک مشکل ہے، اور اس مشکل کے حل کرنے مین رائین سخت مختلف ہین، ہمارے زمانہ سے پہلے مذہبی خیال تمام خیالات پر غالب اور تمام قومون مین رابطۂ اتحاد تھا، لیکن با این ہمہ متصل لڑائیان جاری تہین، اور عیسائی مذہب جو تمام مذاہب مین سب سے زیادہ بے تعصب تہا وہ بھی اس آگ کو بجھا نہین سکتا تھا، خود مسیحی امت جسکو اسکے پیغمبر نے یہ تعلیم دی تھی کہ "اگر کوئی شخص تمہارے داہنے گال پر طپانچہ مارے تو اسکے سامنے اپنا بایان گال بھی کر دو" ان لڑائیون مین سب سے زیادہ خونریز و سفاک تھی، اسکی دشمنی صرف ان قومون تک محدود نہ تھی جو عیسائی مذہب نہین رکھتی تہین، بلکہ خود مختلف عیسائی فرقے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اور انکے خون کے چھینٹے زبان حال سے کہ رہے تھے کہ خود انسان کی فطرت اجتماعی کے اندر ایک ایسا طبعی ضعف موجود ہے کہ مذہب اسکا علاج نہین کر سکتا، اسکے بعد مذہبی احساس دب گیا، اور وطنیت کے جذبہ نے اسکی جگہ لیلی، لیکن اسکا نظام بھی نظام مذہبی سے کچھ کم ابتر نہ تھا، کیونکہ اس نے مذہب سے زیادہ وسیع پیمانہ پر لڑائیون کا سلسلہ جاری کیا، اور مذہب سے زیادہ اجتماعی زندگی کی بنیاد کو متزلزل کر دیا، چنانچہ موجودہ اور گذشتہ دور کی تاریخ سے اسکی شہادت مل سکتی ہے،

اب اس زمانہ مین تضامن عام یعنی کفالت عامہ کا خیال ترقی کر رہا ہے، جسمین دنیا کی مختلف المذاہب، مختلف الاخلاق، اور مختلف الالسنہ قومین شریک ہو رہی ہین لیکن درحقیقت اسکو تضامن عام یا کفالت عام کہنا صحیح نہین ہے، یہ صرف ایک

عظیم الشان جماعت کا باہی سمجھتہ ہے، جنکے فوائد مشترک ہین، اور فوجی اور سیاسی مہارت ہین مشابہ ومساوی ہین،

اس تضامن عام کی حقیقت یہ ہے کہ سوسائٹی کا ہر فرد اپنے اُن فرائض کا احساس کرے جسمین تمام لوگون کی بہبودی ہے، بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ خیال اس وسعت و سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے کہ عنقریب تمام دنیا سمجھنے لگیگی کہ ہر شخص دوسرے کا کفیل اور ضامن ہے، لیکن اس خیال کے عملی نتائج بھی بہ مشکل وجود مین آسکتے ہین، کیونکہ حد درجہ کا اتحاد بھی نہایت مضر چیز ہے، جو کبھی تو انسان کو اُن لوگون سے بھی محبت رکھنے پر مجبور کرتا ہے جو سوسائٹی اور جماعت انسانی کے دشمن ہین، اور کبھی قومون کو ان لڑائیون مین شریک ہونیکی دعوت دیتا ہے جو انکے لئے بالکل غیر مفید ہین، اسلئے بہتر ہے کہ اس تضامن عام مین یہ قید لگا دیجائے کہ وہ صرف اُن لوگون کا کفیل ہو سکتا ہے جو فوائد مشترکہ کے لئے جد وجہد کرتے ہین، کیونکہ بعض مادّی فواید کے متعلق مختلف قومون مین جو کشمکش پیدا ہورہی ہے اُسپر تضامن عام کا خیال بہ مشکل منطبق ہو سکتا ہے، ہمکو صاف نظر آتا ہے کہ امریکہ مین کالون اور گورون مین ہمیشہ ایک عام نزاع قائم رہتی ہے، اور اسٹریلیا و امریکہ مین چینی ان حقوق سے محروم کردیئے گئے ہین جن سے خود اس ملک کے باشندے فائدہ اُٹھا رہے ہین،

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ فطرت اجتماعی ایک کسبی چیز ہے اور وہ کبھی اپنے درجۂ کمال کو نہ پہنچ سکیگی، اسلئے اسکی بنا پر انسان کوئی محکم وثابت اخلاقی نظام نہین قائم کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ انسان نے اپنے ربط واتحاد کی زنجیر کو ابتدا ہی سے مذہب کی سنہری کڑی سے مستحکم کیا، اسکے بعد جب انسان کے مقاصد زندگی مین اور بھی وسعت پیدا ہوئی تو سیاسی اور تمدنی قانون کا اضافہ کیا گیا، اور اس طریقہ سے انسان کی اجتماعی زندگی

ایک ضابطہ کی پابند ہوگئی، لیکن باین ہمہ انسان نے اپنی گم شدہ دولت کو نہین پایا، اس معاملہ مین مذہب اور قانون دونون کی حالت اُس طبیب سے مشابہ رہی جو ایک مہلک مرض کا علاج کرتا ہے، لیکن اسلئے نہین کہ مریض کو شفا حاصل ہوگی بلکہ اسلئے کہ اس طریقہ سے اُسکی تکلیفین کچھ کم ہوجائینگی، اور اسکی مدت حیات مین چند دنون کا اور اضافہ ہوجائیگا، کیونکہ اُن سخت اوقات مین جنمین بے ضابطگی ضابطہ ونظام پر غالب ہوجاتی ہے، اور قانون کے چہرے پر پردہ پڑجاتا ہے، فطرت اجتماعی کی کمزوریان علانیہ بے نقاب ہوجاتی ہین، ایکبار بیروت مین بہت سے گھر گر گئے، اور ان مین رہنے والے اُنکے نیچے دب گئے، لیکن عین اس حالت مین جبکہ لوگ ان مصیبت زدہ اشخاص کو اینٹ اور پتھر کے نیچے سے نکال رہے تھے، بہت سے لوگ گھر کے اسباب لوٹنے مین مصروف تھے، اسی طرح ایکبار شہر رملہ کے ایک بازار مین آگ لگ گئی، اور لوگ دوکاندارون کے اسباب کے بچانے کیلئے دوڑ پڑے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جلنے سے زیادہ اسباب لوگون کی لوٹ مار کے نذر ہوا، زلزلہ مسینیا کے وقت تو فطرت انسانی اور بھی آزاد ہوگئی، اور لوگون نے بنک اور خزانے کو اس طرح لوٹنا شروع کیا کہ فوج کو مداخلت کرنی پڑی، پس انسان نے اپنی امیدون کا جو معیار قائم کیا ہے اسکے مطابق ابتک اجتماعی زندگی نے ترقی نہین کی ہے، اور جب تک فطرت اجتماعی کے نظام عمل کی یہ ابتری قائم ہے، جب تک مصالح ومنافع مین تنوع واختلاف ہے، اور جب تک ہر شخص ان فوائد کو صرف اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے انسان کی یہ امید پوری نہوگی، کیونکہ خود غرضانہ اقتدار حیوانی زندگی کا سب سے بڑا خاصہ ہے، اور اُس خاصہ کی بنا پر انسان ہر اُس چیز کا استیصال کرنا چاہتا ہے جو اسکی ترقی مین سدّراہ ہوتی ہے، اسلئے زندگی خواہ حیوانی ہو یا نباتاتی ایک معرکۂ کارزار بنگئی ہے

اور جو ابتدائے زندگی سے شروع ہوتا ہے، اور مخلوقات کی آخری سانس تک قائم رہتا ہے، اسی قانون طبعی کی تعبیر مسئلہ تنازع للبقاء سے کیجاتی ہے، اور قانون کتنے ہی ترقی کر جائے لیکن اس فطری کمزوری کا اثر اس سے زائل نہین ہو سکتا، کیونکہ وہ ان تمام مسائل کا احاطہ نہین کر سکتا جو پیش آنے والے ہین، وہ صرف اجمالی طور سے اعمال انسانی پر نظر ڈالتا ہے اسلئے قانونی دفعات کے تحت مین انسانی زندگی کے تفصیلی مظاہر نہین آسکتے، سینکڑون برس سے انسان قانون کی تہذیب و اصلاح مین مصروف ہے، اور چاہتا ہے کہ ہر وہ معاملہ جو پیش آئے اسپر قانونی دفعات منطبق ہو جائین،

واضعان قانون کا خیال ہے کہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہو گئے ہین، اور دنیا مین عدل و انصاف کی حکومت قائم ہو گئی ہے، لیکن جب وہ واقعات اور قانونی دفعات مین تطبیق دینے لگتے ہین تو ایسی غلطیان نمایان ہوتی ہین جو اُنکے ظن و گمان مین بھی نہ تھین، اسلئے انکو تغیر و تبدل کرنیکی ضرورت محسوس ہوتی ہے، لیکن باین ہمہ مشکلات اپنی جگہ پر قائم رہتی ہین، اور انکا خاتمہ نہین ہوتا، لیکن اگر وہ نظام طبعی پر نظر ڈالتے تو انکو معلوم ہوتا کہ یہ تمام خرابیان خود اسی نظام کی ابتری کا نتیجہ ہین، اور اجتماعی عناصر کی ترکیب مین مظالم کی آمیزش سے چارہ نہین، اسلئے ناگزیر طور پر انکو برداشت ہی کرنا پڑیگا،

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ اجتماعی زندگی اس زمانہ مین بہت کچھ ترقی کر گئی ہے، لیکن اسکی ترقی کی تہ مین ایسی بے اعتدالیان پائی جاتی ہین کہ انکا سبب فطرت انسانی کی کمزوری کے سوا اور کچھ نہین ہو سکتا، انسانیت کے بہی خواہون نے حیوانات پر رحم کرنیکے لئے انجمنین قائم کی ہین اور سمجھتے ہین کہ یہ سب سے بڑا انسانی فرض ہے جسکا پابند ہر شخص کو ہونا چاہیئے، لیکن انھون نے اس فیاضانہ سلوک مین ایک دوسرے انسانی فرض کو

نظر انداز کر دیا ہے، کیونکہ وہ لوگ حیوانات پر تو رحم کرتے ہین، لیکن انسان پر ظلم کرنے سے باز نہین آتے، کوچبان کو تو دہمکی دیتے ہین کہ گھوڑے کو کوڑا نہ مارے، لیکن خود کوچبان کو کوڑا لگانے سے دریغ نہین کرتے، وہ لوگ اُن حیوانات پر تو رحم کرتے ہین جنکی خدمت سے انسان فائدہ اُٹھاتا ہے، لیکن اُن جانورون کو بلاتکلف ذبح کر ڈالتے ہین جنکا گوشت انسان کی لذیذ ترین غذا ہو سکتا ہے، پس یہ رحم انسان کی انانیت اور خود غرضی کا نتیجہ ہے، اس سے اجتماعی زندگی کی ترقی پر استدلال نہین کیا جا سکتا،

پیغمبران امن و سلام اس زمانہ مین اجتماعی زندگی کی سعادت کاملہ کی بشارت دیتے ہین، اور خود غرضانہ اقتدار رکھنے والون سے ہتھیار چھین کر انکو تضامن عام کی طرف بلاتے ہین، لیکن ایک صاحب اقتدار شخص کیونکر اسپر راضی ہو سکتا ہے، جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ کڑورون آدمی اسکی اطاعت کرتے ہین، اور اسکی خدمت مین جان تک دیدیتے ہین، اور وہ انکو اس طرح اپنے ساتھ ساتھ لے چلتا ہے، جس طرح گلہ چوبان کے ساتھ چلتا ہے، پس وہ کیونکر خدائی تخت سے اُتر کر رعایا کے دوش بدوش کھڑا ہونا پسند کریگا، میرے خیال مین حکومت جمہوری، اجتماعی فرائض کے ادا کرنے مین حکومت شخصی سے کچھ زیادہ مختلف نہین ہے، دونون مین صرف یہ فرق ہے کہ جمہوری حکومت مین اقتدار کی تقسیم ہو جاتی ہے اور شخصی سلطنت مین وہ صرف ایک شخص کے ہاتھ مین رہتا ہے، ورنہ دونون کا دارومدار صرف قوت پر ہے، اور قانون دونون سلطنتون کے مدبرین کو بیدریغ خونریزی کی اجازت دیتا ہے، فرق جو کچھ ہے یہ ہے کہ شخصی حکومت مین جنگ صرف ایک شخص کے اشارہ سے چھڑتی ہے، اور جمہوری حکومت مین بہت سے لوگون کا ارادہ اسمین شامل ہوتا ہے، شخصی حکومت مین جنگ سے صرف ایک شخص کی خوشی مقصود ہوتی ہے، اور جمہوری حکومت مین

جنگ سے وطنیت کی مدافعت کیجاتی ہے، لیکن لڑائی دونون صورتون مین بہرحال لڑائی ہے اس بناپر جمہوری حکومت نے جسکو شخصی حکومت سے بہتر خیال کیا جاتا ہے، اپنا اجتماعی فرض ادا نہین کیا بلکہ یہ مسئلہ جس طرح شخصی حکومت مین پیچیدہ تہا اسی طرح اس حکومت مین بھی پیچیدہ رہ گیا جمہوری حکومتین خداعانہ طور پر کہتی ہین کہ آلات جنگ مین جو اضافہ کیا جارہا ہے اُسکا مقصد صرف امن وامان کی محافظت ہے، لیکن اگر تمام سلطنتین رعایا کی گردن سے اس بوجھ کو اُتار پھینکین تو یہ کوئی ناقص امن فعل نہوگا بلکہ اصلی امن یہی ہوگا، ہزارون آدمی فوجی خدمت سے سبکدوش ہوکر ایسی خدمات مین مصروف ہوجائینگے جو سوسائٹی کے لئے مفید ہونگی اور جو دماغ آلات مہلکہ کی اختراع وایجاد مین مصروف ہین وہ ایسی چیزین ایجاد کرینگے جو تمدن کو ترقی دینگی،

بعض لوگون کا خیال ہے کہ قانون ایسے زمانہ مین وضع کیا گیا ہے جو موجودہ اجتماعی زندگی سے مختلف تہا، اسلئے اسکو منسوخ کرکے نئے سرے سے ایسے قوانین وضع کرنے چاہئین جو موجودہ تمدن کے موافق ہو، لیکن اس سے بھی اصلی مقصد حاصل نہوگا، کیونکہ خود تمدن متحد الحقیقت چیز نہین ہے، بلکہ قومون کے اخلاق وعادات کے اختلاف سے اسمین بھی اختلاف پیدا ہوگیا ہے، اسلئے جب تک تمام قومون کا تمدن اور تمام قومون کا نظام اخلاق متحد نہوجاے، کوئی قانون عالمگیر ہوہی نہین سکتا،

عبد السلام ندوی

نوشیروان عادل

از منشی معین الدین حسن بی-اے، (آنرز) متوطن ناسک

شاہان عالم مین نوشیروان سے زیادہ شاید کوئی خوش قسمت نہوگا، اسکے عدل وانصاف کی مثال مشرق کے ادبیات کا جزو ہوگیا ہے، اور بار بار کی تکرار سے یہ ایسا مسئلہ بنگیا ہے کہ اسکے خلاف شاید کوئی شہادت دنیا سننے کے لئے آمادہ نہوگی، اسکے افسانہ عدل وانصاف کا تمامتر مدار مزدکی فرقہ کے استیصال پر ہے، نوشیروان کے باپ کے زمانہ مین ایران مین مزدک ایک نیا بانی مذہب پیدا ہوا تہا، جسکے اصول تمامتر اشتراکیت پر مبنی تھے، روپیہ، زمین، عورت اسکے نزدیک دنیا کی یہ اصولی تین نعمتین ہیتین، انکو بلاتخصیص وملکیت تمام ملک کا مشترک سرمایہ قرار دینا چاہیئے، نوشیروان کے باپ قباد نے اس مذہب کو قبول کرلیا تھا، اور عام رعایا اور ملک کے غریب طبقہ کے لئے اس سے بہتر اور نعمت کیا ہوسکتی تھی، لیکن امراء اور موبدون کے طبقہ مین اس سے برہمی پیدا ہوئی، اور آخر بڑی بڑی بغاوتین ہوئین، نوشیروان نے تخت نشینی کے ساتھ سب سے پہلے مزدک کو قتل کیا، اور اس فرقہ کو بزور شمشیر بیخ وبنیاد سے معدوم کردیا، لاکھون آدمی قتل ہوے، بھائیون کے خون سے بھی اسکی قباے حکومت رنگین ہوئی، اپنے محسن اعظم کے قتل کا وہ بھی مجرم ہے، تاہم وہ عادل ہے اسلئے کہ ایک متبدع فرقہ سے اُس نے ملک کو پاک کیا،

نوشیروان کے واقعات عدل وانصاف کے علاوہ اسکے دیگر ملکی وفوجی انتظامات اور اصلاحات بھی قابل ذکر ہین، ہمارے ایک عزیز نے جنکا صوبہ (مہاراشٹر) اتبک

اردو سیکھنے کی کوشش کر رہا ہے، نوشیروان کے حالات پروفیسر رالنسن کی مشہور تاریخ
"سیونتھ اورینٹیل منارکی" (ساتوین مشرقی حکومت) سے ترجمہ کرکے بھیجا ہے، اردو کو عام
ملکی زبان نہ تسلیم کرنے والے دیکھین کہ اس خطہ مین بھی جہان اردو زبان سب سے کم رائج ہے
اور جہان ہر سو کوس کے بعد مادری زبان کا سکہ بدل جاتا ہے، وہان بھی اردو اپنی
ٹکسال کس طرح قائم رکھتی ہے،

نوشیروان آل ساسان سے اپنے نام کا پہلا حکمران ہے، وہ ۵۳۱ء مین تخت شاہی پر
جلوہ افروز ہوا، اسکی تخت نشینی مین صدہا رکاوٹین پیش آئین، ایک طرف تو اسکے بڑے
بھائی کاؤس نے دراندازیان شروع کین، اور لوگون کو بہکایا کہ مین تاج و تخت کا اصلی وارث ہون
لیکن بالآخر وہ اپنی سازشون مین ناکام رہا،

تخت نشینی کے بعد نوشیروان کا فرض اولین **مزدک** اور اسکے معتقدین کا قلع قمع
کرنا تھا، اسلئے اس نے تخمیناً ایک لاکھ مزدکیون کو سولی پر چڑہایا، اس سے فارغ ہو کر موبد،
مدار المہام کو جسکا کہ وہ مرہون منت تھا ایک ادنیٰ نافرمانی پر سزاے موت دی،

مستشرقین کی عام راے یہ ہے کہ خسرو اول کی حکومت کی عظمت صرف فوجی کارنامون تک
محدود نہ تھی بلکہ اس نے ملک مین سیکڑون اصلاحی احکام جاری کئے، اور ملک کی کایا پلٹ
دی، وہ جب تخت نشین ہوا، ملک ایک عجیب حالت اضطراب مین مبتلا تھا، سلطنت کا
ایک صیغہ بھی منظم و مرتب نہ تھا، عوارض و محصولات کا نہ کوئی قانون تھا نہ کوئی سسٹم، لوگون پر
مظالم ڈہائے جاتے تھے، اور انکا کوئی پرسان حال نہ تھا، حکام دل کھول کر ظلم و تعدی سے
کام لیتے تھے، محکمہ نظام یعنی فوجی صیغہ معائب سے پاک نہ تھا، مذہبی تعصب کا دور دورہ تھا
باہم جنگ و جدال برپا تھی، مظالم سے چشم پوشی کیجاتی تھی، زراعت سے کسی کو دلچسپی نہ تھی، ملک مین

امن و سکون نام کو نہ تھا، نوشیروان نے ابتداے حکومت ہی سے تہیہ کرلیا کہ وہ ملک و قوم کی
حالت درست کریگا، اسکی فرد اصلاحات مین عدل و انصاف کا رواج، مالیات کی بہتری،
زراعت کی ترغیب، مساکین و مظلومین کی امداد، محکمہ نظام فوجی کی درستی، اور مذہبی بے تعصبی
خصوصیت کے ساتھ نمایان تھی،

نوشیروان کی تخت نشینی سے پیشتر ایران چند حصص مین منقسم تھا، جنکے حکمران عمال یا گورنر
ہوتے تھے، انکا تعلق براہِ راست پادشاہِ وقت سے ہوتا تھا، نوشیروان نے ایران کو چار
حصون مین منقسم کرکے ان اشخاص کے سپرد کیا جنپر انکو کامل اعتماد تھا، لیکن بااین ہمہ اعتماد
س نے خفیہ مخبر مقرر کئے کہ وہ ان حکام کی کاروائیون کی جانچ پرتال کرین اور حکام کے
بیجا تصرفات اور رعایا کی حقیقی شکایات کی رپورٹ پیش کرین، عدل گستری مین عجلت سے
کام لیا جاتا تھا، کہتے ہین کہ نوشیروان نے ایک موقع پر ۸۰ محصول وصول کنندون کو
دار پر لٹکا دیا،

صیغہ اراضی کا انتظام

اتبک تمام زمینین اپنی پیداوار کا کچھ حصہ یعنی عشر یا خمس محصولات
کی شکل مین سلطنت کو ادا کیا کرتی تہین، اس سے فلاحت پر بیہودہ اثر پڑتا تھا، کیونکہ ممکن
تھا کہ پیداوار کا بہترین و اغلب حصہ ریاست وصول کرلے، جب تک کہ ملکی افسر اپنا
حصہ نہ لیلے، کاشتکار زمین کی پیداوار کو کبھی مصرف مین نہ لا سکتے، اسلئے مصمم ارادہ کرلیا کہ
محصولات مقررہ ہون اور تغیر پذیر نہ ہون،

مختلف محاصل

پہل کے اشجار کا شمار کیا جاتا تھا، اور فی درخت تھوڑی سی رقم لیجاتی تھی، یہود
و نصاریٰ پر جزیہ لگایا گیا تھا، لیکن طبقہ نسوان سے کچھ نہین لیا جاتا تھا، پنجاہ سالہ
مرد بھی جزیہ سے بری الذمہ ہوتے تھے، زر نقد کی ادائگی ہفتہ بندی سے سال مین تین

مرتبہ ہوا کرتی تہین،

اصلاحِ نظامِ فوجی خسرو سے پہلے جن سپاہیون کے پاس گھوڑا اور اُسکا سامان نہوتا تھا، اور وہ فنِ شہسواری سے بھی ناواقف ہوتے تھے، وہ بھی تنخواہون کے افسر سے سواری کی تنخواہ طلب کرتے تھے، خسرو نے ان خرابیون کی اصلاح کی، ایک افسر تنخواہ مقرر کیا، ہر ایک سپاہی کو یہ لازم تہا کہ پہلے چند فوجی کرتب دکھلاتا، اور جب اسمین حسب دلخواہ کامیاب نہ ہوتا تھا، تو چند ماہ کی تنخواہ روکدیجاتی تھی ایکبار بابک افسر تنخواہ نے علی التواتر دوروز افواج کا معائنہ کیا اور اسکو اس بہانہ سے مسترد کرتا گیا کہ فوج سے ایک سپاہی غائب ہے خسرو چالاک تہا، تاڑگیا، اور مسلح بابک کے روبرو حاضر ہوا، لیکن کسی کمی سے اسکو محل واپس ہونا پڑا، دوبارہ حاضر ہوا، بابک نے خسرو کی تنخواہ چارہزار ایک درہم گنوا دی، اس کاروائی سے دو نتیجے پیدا ہوتے ہین، اول یہ کہ سپاہی اسلحہ جنگ کی ضروریات کماحقہ پوری کرلے، دوم کسی افسر کی تنخواہ چارہزار درہم سے زیادہ نہین ہوسکتی،

زراعت خسرو نے اپنی توجہ زراعت کی طرف منعطف کی، زردشت کے دین مین زراعت کی خاص تاکید آئی ہے، حکم ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا بیکار نہ چھوڑا جاے، کچھ نہ کچھ اسمین ضرور بویا جائے، خسرو کا اصول "دو پرندون کو ایک کنکر سے مارنا تھا" خسرو نے تمام بنجر زمین کو آباد کرایا، سامان فلاحت مثلاً بیج، ہل، اور دیگر ضروری اشیا، شاہی خزانہ سے دیا کرتا تہا نہرین جاری کی گئین تہین، بارش کا پانی جیسا کہ آجکل کیا جاتا ہے ایک جگہ روک لیا جاتا تہا اور موسم سرما و گرما مین کسانون کو کسیقدر اجرت پر دیا جاتا تہا، اپنے جیب خاص سے مفلس کی امداد کرتا تہا، گداگری ممنوع تھی، خمود و کاہلی گناہ تہا،

آبادی خسرو نے ایران کی آبادی مین کمی محسوس کرکے اسکی آبادی کی ترقی مین سعی بلیغ سے

کام لیا، اور جد جہد کی کہ ایران کی آبادی روز افزون ترقی کرے، جو نوجوان عورتین شادی بیاہ سے احتراز کرتی تہین، انکو نکاح پر مجبور کیا، یہ امر لازمی قرار دیا کہ تمام نوجوان عورتون کے شوہر ہون، انکے جہیز خزانہ عام سے دیئے جاتے تھے، انکی اولاد کی تعلیم و تربیت کی نگہداشت گورنمنٹ کے ذمہ ہوتی تھی،

مردمان خارجہ خسرو اگرچہ ترکون سے خائف رہتا تہا تاہم عموماً غیرملکی لوگون سے صلح و آشتی کے ساتھ پیش آتا تھا، بلکہ اس خیال سے کہ غیرملکی لوگون کو آمد و رفت مین تکالیف پیش نہ آئین اس نے پل اور راستے تعمیر کرائے، سرحدین درست کرائین، مرزبان و دیدبان مقرر کئے متعدد یورپین بھی خسرو کے دربار شاہی مین موجود تھے،

خسرو کا علمی مذاق خسرو فلسفہ کو عزیز رکھتا تہا، اسکا دربار فلسفیون کا مرجع عام بنا ہوا تہا، اس نے سات یونانی فلسفیون کو اپنے دربار مین جگہ دی، ارسطو و فلاطون کی کتابون کے پہلوی مین ترجمے کرائے، وہ خود بھی ارسطو و فلاطون کی تصانیف سے واقف تہا، اُس نے گنج شاپور مین جو کہ سوس کے قرب وجوار مین واقع ہے ایک طبی اسکول جاری کیا جو تدریجاً ایک بڑا دارالعلوم بنگیا، وہان کلام، فلسفہ، نظم و دیگر مضامین کی تعلیم دیجاتی تھی، نوشیروان نے ایک شاہنامہ لکھوایا تہا جو غالباً فردوسی طوسی کے شاہنامہ کا سنگ بنیاد ہے علم و حکمت کے تجسس مین اُس نے علماء کا ایک وفد ہندوستان بھیجا تہا، بیدپاے کے فسانے، اور شطرنج کا کھیل نوشیروان ہی کے زمانہ مین ہندوستان سے ایران آے،

آزادی مذہب تخت نشین ہوتے ہی خسرو نے حکم نافذ کیا کہ لوگون کو اعمال حسنہ پر انعام و افعال بد پر سزا دیجائے، لوگون کے اعتقادات پر کسی قسم کا حملہ نہ کیا جاے، مذہباً تمام رعایا آزاد ہے، مزدکیون کے ساتھ اسکا جو برتاو رہا ہے، اس سے ناظرین کو

دہوکا ہونے کا اندیشہ ہے، لیکن درحقیقت اس نے انکے افعال شنیعہ پر سرزنش کی نہ کہ انکے اعتقادات پر، عیسائیون کے ساتھ اسکے دوستانہ تعلقات تھے، خود اسکی ایک بیوی عیسوی مذہب کی پابند تھی، اس نے عیسائیون کے مُردون کو اپنے ملک مین دفن ہونے دیا، حالانکہ قدیم سلاطین نے اس فعل کو مکروہ و ناجائز قرار دیا تہا، کسی کے دین کی تبلیغ کی اجازت نہ تھی، اسکا لڑکا نوشزاد جب عیسٰی مسیح کا پیرو ہوا، تو اس نے اسکو صرف حراست مین رکھا،

خانگی تعلقات

نوشیروان خانگی تعلقات مین خوش قسمت نہ تہا، اسکے تعلقات ترکون کے بڑے خان کی دختر نیک اختر سے اچھے تھے، اسکی وہ لاڈلی اور چہیتی بیوی تھی، یہی خاص وجہ تھی کہ اس نے اسکے لڑکے کو اپنا ولی عہد قرار دیا تہا، نوشیروان کے تعلقات نوشزاد کی والدہ سے اچھے نہ تھے، وہ عیسائن تھی، ہرچند کہ نوشیروان نے اسکو سمجہایا کہ وہ اس مذہب سے باز آے، اسکے لڑکے نوشزاد نے بھی اپنے باپ کے دین پر اپنے والدہ کے دین کو ترجیح دی، لیکن اس نے اپنے مذہب کو ترک نہ کیا،

نوشیروان کا لقب عادل

نوشیروان کی خوش نصیبی ہے کہ اسکی رعایا نے اسکو عادل کے لقب سے پکارا، یورپین مورخین کی عام راے یہ ہے کہ نوشیروان کو بجاے عادل کے ظالم کہنا چاہیئے، کیونکہ وہ اپنے ہر دو بیرونی و اندرونی تعلقات مین ظلم و استبداد سے کام لیتا تہا، یہ ممکن ہے کہ اس نے بلا ضرورت سختی سے کام لیا ہو، مگر اس سے کیسکو انکار نہین ہوسکتا کہ اسکی سیاست بجا و حق بجانب ہوتی تھی، جب وہ دیکہتا تہا کہ ایک معمر و سن رسیدہ آدمی گناہ سے اجتناب نہین کرتا ہے، تو وہ از بس برہم ہوتا تھا مگر بخلاف اسکے نوجوان مجرم سے کریمانہ و معتدل انداز سے پیش آتا تہا،

نوشیروان کے دور حکومت مین ایران سرسبز و شاداب تہا، کیسکو ہمت نہوتی تھی کہ کیسکو ناحق اذیت پہنچاے، لوگ مطمئن و آباد تھے،

نوشیروان کے اخلاق وعادات

نوشیروان دلیر، جفاکش، متحمل، دوراندیش و عادل، اور خانگی تعلقات کے لحاظ سے ایک مہربان شوہر و نرم دل باپ تہا، اگرچہ وہ اپنے بہائیون سے سختی سے پیش آیا مگر اسمین اسکا کیا قصور ہے، یہ سب مفسد مشیرون کی مشورت کا نتیجہ، یا شاید اقتضاے وقت و مصلحت تہا،

مکتوب ووکنگ

مسٹر عبدالقیوم ملک اپنے ایک خط مرقومہ ۹- اکتوبر سنہ ۱۷ مین ووکنگ سے اطلاع دیتے ہین:

عیدالضحیٰ امسال انگلستان کی اسلامی برادری نے جمعرات ۲۷- ستمبر کو منائی، عید کارڈ دو ہفتہ پہلے ارسال کردیئے گئے تھے، اور بعض احباب بدھ کی شام ہی سے رونق افروز ووکنگ ہوگئے، جمعرات کی صبح کو میموریل ہاوس کا منادہ مسلمین و مسلمات سے بھر گیا اور یہ مجمع ٹہیک ۱۱ بجے خواجہ صاحب کی امامت مین اپنے رب کی بارگاہ مین صف بستہ ہوگیا، خطبہ عید حج کے فضائل اور خصائص سے مملو تہا، اور انشاءاللہ نومبر ریویو مین مکمل شایع ہوگا، ظہر کے قبل عید لنچ نوش فرمایا گیا، حاضرین کی تعداد مین غیر مسلم بھی شامل تھے، ظہر اور عصر کے درمیان جناب خواجہ صاحب نے ایک مختصر سا لکچر بعض احباب کے اصرار پر اسلام کے فضائل پر دیا جو بہت پسند کیا گیا، عصر اور مغرب کے درمیان چاے کے بعد چند احباب رخصت ہوگئے، لیکن شام کے کہانے پر مجمع خاصہ تہا، اور اس یوم مبارک کے اختتام پر مسٹر رچرڈسن جنکا اسلامی نام عمر ہے، قبول اسلام فرمایا،

اخبار و سیر

ایک درویش امیر کی وفات

رضی الدولہ نظام الملک نواب میر نور الحسن خان کلیم مرحوم

ولادت ۲۱- رجب ۱۲۷۵ھ وفات ۸ محرم ۱۳۳۶ھ

ترک اور مغل بادشاہون کے عہد مین جبسادات عجم وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے گئے، ان مین سادات بخاری کا خاندان بھی امتیاز خاص رکھتا ہے، سید جلال بخاری پہلے بزرگ ہین جنھون نے بخارا چھوڑکر سب سے پہلے سرزمین ہند مین قدم رکھا، اور شہر ملتان مین اقامت اختیار کی، اسکے بعد چھ پشتین یہین رشد وہدایت اور تزکیہ وتعلیم مین گذرین، بہلول لودی کے عہد مین اس خاندان کے ایک اور بزرگ سید جلال نامی دلی آئے، بادشاہ نے قنوج مین انکو جاگیر عطا کی، اور اس تقریب سے یہ خاندان دلی سے قنوج کو منتقل ہوگیا،

قنوج مین پانچ پشتین گذری تہین کہ دلی کا آفتاب اقبال لب بام آگیا، سید لطف علی سید عزیز اور سید اولاد علی خان انور جنگ، تین پشتین حیدر آباد کے زمرۂ متوسلین مین داخل ہوکر حیدر آباد منتقل ہوگیئن، سید اولاد علیخان نے یہان بڑا اقتدار حاصل کیا، ۵ لاکہہ کے جاگیردار تھے، انور جنگ کے خطاب سے مخاطب تھے، آخر یہین ۱۲۱۸ھ مین وفات پاکر مدفون ہوئے

انور جنگ کے صاحبزادہ سید اولاد حسن صاحب ایک مستند فاضل اور جیّد عالم تھے شاہ عبدالعزیز صاحب اور جناب شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کے شاگرد، اور جناب مولانا سید احمد صاحب بریلوی کے مرید تھے، حیدر آباد کی طلب کے باوجود دائرۂ قناعت سے باہر نکلنا مناسب نہ سمجھا، اور تمام عمر علم ودین کی خدمت مین فقیرانہ بسر کردی،

مولانا سید اولاد حسن صاحب قنوجی کا خلف الرشید وہ بزرگوار ہے، جسکو امیر الملک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خان بھوپال کے نام سے ہم جانتے ہین، جنکے فضل وکمال نے ہندوستان کی آبرو نہ صرف ہند بلکہ مصر وشام وقسطنطنیہ مین رکھ لی، نواب صاحب موصوف کے فرزند اکبر نواب سید نور الحسن خان مرحوم تھے، جنکا تذکرہ ان صفحون مین لکھنا ہے، نواب مرحوم کے نانا منشی جمال الدین خان مدار المہام ریاست بھوپال تھے، انکی مدار المہامی کا زمانہ متعدد وجوہ کی بناپر بھوپال کی تاریخ مین یادگار رہیگا، منشی صاحب موصوف کے دیگر احسانات کے علاوہ ہندوستان کے ارباب علم انکی اس علم پروری کو بھول نہین سکتے کہ اُنھون نے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے فضل وکمال کے اصلی خط وخال کو اُنہین کی دی ہوئی عینک سے پہچانا، یعنی شاہ صاحب کی خیر الکتب (ماسٹر پیس) حجۃ اللہ البالغۃ منشی صاحب موصوف ہی کے دست کرم سے پہلی بار ۱۲۸۶ھ مین مطبوع ہوکر شائع ہوئی،

حالات سید نور الحسن خان تباریخ ۲۱- رجب ۱۲۷۵ھ مین بھوپال مین پیدا ہوئے، ابتدائی کتابین اور دیگر علوم معقول ومنقول کی تعلیم مختلف اساتذہ وقت سے حاصل کی، فن حدیث کا درس خود اپنے والد ماجد سے لیا، وہ طبعاً نہایت ذہین اور طباع تھے، عربی زبان کے فاضل، اور ادب فارسی کے ماہر تھے، شعروسخن سے طبعی ذوق تہا، عربی، فارسی اور اُردو تینون زبانون مین دادِ سخن دیتے تھے، اور کلیم تخلص کرتے تھے، تصوف کی چاشنی انکی طبیعت مین غالب تھی، شیخ وقت مولانا فضل رحمان صاحب گنج مرادابادی سے وہ بیعت تھے اور خلافت کی اجازت بھی انکو حاصل تھی، یہ دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ ایک شخص جو امارت اور دولت کے آغوش مین پلکر جوان ہوا تہا، کیونکر علم ومعرفت کے فیضان کو وہ برقرار رکہہ سکا،

منشی جمال الدین خان مرحوم کے انتقال کے بعد نواب شاہجہان بیگم والیہ بھوپال نے

نانا کی جگہ نواسہ کو عنایت کرنی چاہی، لیکن انکی بیباک اور لاابالی طبیعت نے اس قید کو گوارا نہ کیا، بھوپال کے گذشتہ عہد مین انکی حیثیت ایک شاہزادہ کی تھی، سرکار بھوپال نے بارہ ہزار کی جاگیر عنایت تھی، بتقریب جشن تاج محل فرزند وحید رضی الدولہ نظام الملک میر محمد نور الحسن خان بہادر کا خطاب عطا فرما کر مہر طلائی عنایت کی، دربار مین انکی چوتھی کرسی تھی اور اکثر والیسراے وگورنر جنرل اور ایجنٹ گورنر جنرل کی مشایعت اور مزاج پرسی کی عزت انکو دیجاتی تھی، شاہ اڈورڈ ہفتم، پرنس آف ویلز کی حیثیت سے جب کلکتہ مین رونق افروز ہوئے تھے تو ۲۴ دسمبر ۱۸۷۵ء کے دربار دار الحکومت مین یہ بھی بزمرۂ امراے ریاست شریک تھے ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری کے موقع پر بھی درباری امراء کی حیثیت مین فرمانرواے بھوپال کے عقب مین انکی کرسی تھی،

نواب شاہجہان بیگم کی وفات کے بعد بھوپال ترک کر کے لکھنؤ مین اقامت اختیار کر لی تھی یہان نہایت سادہ، اور خاموش زندگی بسر کرتے تھے، وہ ایک مدت سے مراق کے عارضہ مین مبتلا تھے، چند مہینون سے انکی ایک انگلی مین زخم نکل آیا تھا، ضعف بدرجہ غایت ہو گیا تھا، پچھلی دفعہ ستمبر ۱۷ء مین جب مین نے انکو دیکھا تو انکی ہیئت اسقدر بدل گئی تھی کہ مین انکو پہچان نہ سکا، دو قدم چلنے مین انکے پاؤن کو لغزش ہوتی تھی، آخر ۔ محرم ۱۳۳۶ھ کے شور ماتم مین اس عالم کو الوداع کہا، لیکن جیسا کہ انھون نے خود کہا ہے، دنیاوی شمع حیات کے بجھ جانے سے شعلۂ حقیقت مردہ نہین ہوتا،

جلسہ تمام رات بھر کا کھلا کچھ نہ صبحدم — پروانے کیا ہوے مین گیا ہی کدھر چراغ
روشن ہی اک چراغ دلِ عاشقان مدام — ہوتا ہی گُل جہان مین وقتِ سحر چراغ

نواب مرحوم صورۃً نہایت وجیہ، خوش اندام، بالا قامت، سرخ رنگ، کتابی چہرہ

اور کشادہ چشم تھے، اخلاقاً نہایت سادہ، خاموش، منکسر المزاج، درویش دل، اور فیاض طبع تھے، طمطراق اور نمائش انکی طبیعت مین نہ تھی، تصوف کا مذاق ہر علم وفن پر غالب آگیا تھا، والد مرحوم کی وراثت مین انکو جو کتبخانہ ملا، کتب تصوف کے علاوہ اسکی تمامتر نادر کتابین جس نے مانگین اسکے حوالہ کر دین، اس بد احتیاطی کے بعد جو کچھ بچ رہین وہ ندوہ کے حصہ مین آئین،

تصنیفات اپنے والد مرحوم کی طرح وہ بھی کثیر التصنیفات، عربی، فارسی، اور اردو تینون زبانون مین انکی تصنیفات موجود ہین، آخر مین تصوف کا رنگ تصنیفات مین بھی غالب آگیا تھا، تذکرۂ **طور کلیم** فارسی مین شعراء کا تذکرہ اچھا لکھا ہے، صرف تصوف مین انکے ۱۸ رسالے ہین جنمین سے اکثر چھپ چکے ہین،

اشعار فی البدیہہ نظم کرتے تھے، کلام برجستہ ہوتا تھا، چونکہ طبیعت لاابالی اور بے پرواہ تھی کچھ کہا محفوظ نہ رکھا، انکے ایک عزیز نے انکے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ **عالم خیال**، اور **واردات دل** کے نام سے جو انکے پاس محفوظ رہ گیا تھا، زبردستی شائع کر دیا ہے، اس مجموعہ مین اکثر غزلین بڑے بڑے اساتذہ کی طرحون پر لکھی ہین، اور نہایت عمدگی سے کامیابی حاصل کی ہے، ایک مشہور طرح ہے، نظر آج اور ادہر آج، اسپر داغ وامیر کی غزلین ہین، نواب مرحوم اس طرح مین کہتے ہین، اور صرف ایک قافیہ نظر کی پابندی کے ساتھ،

بیخود ہون کچھ ایسا نہین اپنی خبر آج — بیڈھب کسی بدمست نے پھینکی ہی نظر آج
منظور لبھانا ہے، ستم کا ہے بہانہ — کچھ صلح کا پہلو ہے جو لڑتی ہے نظر آج
بسمل ہے ادہر شیخ ادہر رند قدح خوار — بے پر کی اڑاتا ہے ترا تیر نظر آج

اس شعر کو پڑھیے:

اے جذبۂ دل کوئی توآتا ہے دگرنہ
کیون جانب در جاتی ہی پھر پھر کے نظر آج

یہ دو شعر کسقدر پر کیف ہین،

دل مین بھی روشنی ہے اُسی کے جمال کی
ممنون جلوہ، دیدۂ بیدار ہی نہین

تعبیر کے ہزار طریقے ہین عشق مین
ظالم سے یان مراد ستمگار ہی نہین

مرید ہوتے ہین سب رند و پارسا اُسکے
بھری ہوئی ہے شراب طہور آنکھون مین

دیوانگی بھی اپنی ہے تجویزِ عقل سے
دانائیون سے پھنستے ہین نادانیون مین ہم

جا اے خیال غیر کہ فرصت یہان نہین
ہین جلوۂ نگار کی مہمانیون مین ہم

یہ پوری غزل مرصع ہے، ردیف وقافیہ کو کتنا اچھا نباہا ہے،

حواس و ہوش دیتے ہین جواب آہستہ آہستہ
چلا آتا ہے وہ مستِ شراب آہستہ آہستہ

ہوے نشہ مین آخر بیحجاب آہستہ آہستہ
کہان تک لیگیا دورِ شراب آہستہ آہستہ

غرض کیا تھی ترے جلوہ کو میرے دیدہ و دل سے
لگا لاتے ہین یہ خانہ خراب آہستہ آہستہ

نہ پوچھو بازپرسِ عاشقان میدانِ محشر مین
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

پسینا بھی جو عہد ہوشی مین آیا تو یہی سمجھے
چھڑکتا ہے وہی گویا گلاب آہستہ آہستہ

ہمارا جذبۂ دل جب اُسے بیتاب لاتا ہی
شکوۂ حسن کہتا ہی حجاب آہستہ آہستہ

ایک دو فارسی شعر بھی مرحوم کے سُن لینے چاہئین کہ یہی انکی زندگی کی یادگار ین ہین،

حسن بتان ہوشربا می کشد مرا
بے اختیار سوے خدا می کشد مرا

نیرنگ دلربائی اُو را نگہ کنید
گاہے بناز، گہ بادا می کشد مرا

در خانقاہ و میکدہ بر یک طریقہ ام
اُو بسکہ سوے خود ہمہ جا می کشد مرا

نگارِ من بنگاہے توان ادا کردن
ہزار نکتہ کہ آمد بگفتگو محتاج

بشوق روے تو صد گل شنیدہ ام بچمن
بذوق چشم تو گشتم بصد سبو محتاج

ز ننگ و نام گذشتم بشوق محفل تو
کہ با رقیب ندیم بپاسبان گستاخ

فغان ز جوش بیانی کہ در ادبگہِ دوست
ہمہ خموش نشستند و من ہمان گستاخ

گرفتہ آہم ازینجا بخاک افتادن
ادب ز سایہ دیوار یار می خیزد

سرور نشہ صد ساغرِ شراب طہور
ز گردشِ نگہِ چشم یار می خیزد

ای در ہواے نکہتِ زلفِ دوتاے تو
آوارہ بوے مشک ز تاتار آمدہ

اے ترجمانِ جنبش لبہاے لعل تو
بانگ رباب و زمزمۂ تار آمدہ

ای دل خنک مباش کہ اندر جہان عشق
سوز و گداز، گرمیٔ بازار آمدہ

رباعی ہے:

ہمہ را بستۂ گیسوے پریشان داری
غمزۂ خاص بہر گبر و مسلمان داری

مثلے ہست کہ الجنس الی الجنس یمیل
بہر دل بردنِ ما صورتِ انسان داری

رحمہ اللہ تعالےٰ و تغمدہ

آثارِ علمیہ ادبیہ

نامۂ حالی

بنام مولانا حمید الدین صاحب بی۔اے

۲۰-جولائی ۱۹۰۷ء پانی پت ،

جناب من ،

شمس العلما کا خطاب ملنے پر جس گرمجوشی اور مسرت کے ساتھ آپنے خاکسار کو مبارکباد دی ہے ، اُسکا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہون ، اور اسکو اپنے لئے ایک دستاویز فخر و امتیاز کی سمجھتا ہون[۱]

آپکے فصیح و بلیغ اشعار کو مین فخریہ کسی اخبار مین عنقریب چھپواؤنگا ، مجھے ترجمہ کرنیکی ابتک فرصت نہین ملی ، آجکل مین مع ترجمہ کے لاہور بھیجونگا ، ازراہِ عنایت اپنی خیریت اور مزاج کی کیفیت سے کہ اب کیا صورت ہے جلدی مطلع فرمائیگا ، اور نیز کراچی کی آب ہوا کا حال لکھیگا کہ اب کیا رنگ ہے ،

مین آجکل حد سے زیادہ عدیم الفرصت ہون ، نہ کسی تصنیف یا تالیف کے سبب بلکہ محض مکروہات خانگی کی وجہ سے ، ورنہ آپکا شکریہ ایسا سرسری طور پر معمولی الفاظ مین ہرگز نہ لکھتا - زیادہ نیاز ،

آپکا نیازمند

الطاف حسین حالی

[۱] یہانتک ایک عام مطبوعہ عبارت ہے جو شاید مولانا نے تمام ہند کے مبارکباد بھیجنے والے نیازمندون کے جواب مین شائع کرائی تھی کے بعد انکے ہاتھ کی قلمی عبارت ہے ، [۲] مبارکباد کے اشعار عربی مین تھے ،

مطبوعاتِ جدیدہ

بزم انجم ، عربی مدارس مین طلباے قدیم کی مجلس کی تالیف ، سب سے پہلے دار العلوم ندوہ نے کی اور اب دوسرے ممتاز عربی مدارس مین بھی اسکی تقلید شروع ہو گئی ہے ، لیکن اس قسم کی مجالس کی طرف سے رسائل اور تالیفات کی اشاعت کا سلسلہ مجلس طلباے قدیم دار العلوم حیدر آباد کی ایجاد اولین ہے ، چنانچہ بزم انجم اسی مجلس کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہے ، یہ بزم انجم مولوی فاضل محمد عبد الرب صاحب کوکب حیدر آبادی نے سجائی ہے ، رسالہ کا موضوع کواکب سیارہ اور ثابتہ کی تشریح ہے ، مقدمہ مین علم ہیئت کی مختصر تاریخ ہے ، پھر ہیئت جدید کے رُو سے ایک ایک سیارہ کا الگ الگ حال لکھا ہے ، آخر مین ثوابت کا مجموعی بیان ہے ، رسالہ ، ۴۳ صفحہ پر تمام ہوا ہے ، تقطیع کتابی ہے ، طرز بیان سنجیدہ اور معلومات مستند ہین ، زبان اُردو ، قیمت ۴ر ، پتہ : معتمد مجلس طلباے قدیم دار العلوم حیدر آباد دکن ،

اُردو کا نیا قاعدہ ، انجمن ترقی اردو نے نہایت فکر و کاوش سے بچون کی تعلیم کے لئے یہ اردو کا نیا قاعدہ جدید طرز و اسلوب سے مرتب کرایا ہے ، جسمین ہر سبق نہایت آہستگی اور طبعی ترتیب کے ساتھ مفردات سے مرکبات کی طرف بڑھایا گیا ہے ، ساتھ ساتھ حروف مفردہ کی تعلیم کے لئے تصویرین بھی دی ہین ، قیمت ۲ر ، پتہ : الناظر چوک لکھنؤ ،

کلید قاعدہ ، اردو کے نئے قاعدہ کے طریقۂ تعلیم کے سمجھانیکے لئے کلید قاعدہ کے نام سے انجمن مذکور نے دوسرا رسالہ لکھا ہے ، جسمین ترکیب و ہجا کی دشواریون کو جس طرح قاعدہ مین حل کرنا چاہیئے ، اسکے متعلق کافی ہدایات ہین ، قیمت ۴ر ، پتہ : الناظر چوک لکھنؤ ،

رہنماے اُردو ، یہ بھی اردو کا ایک نیا قاعدہ ہے ، جسکو حکیم محمد عبد الستار خان اکبر آبادی نے

مرتب کیا ہے، پرانے قاعدون کے اعتبار سے اسمین بھی بعض جدتین ہین، لیکن ہجا اور ترکیب کی جن دشواریون کا علاج انجمن کے قاعدہ مین ہے وہ اسمین نہین، اس قاعدہ مین تمامتر اہتمام، حروف کی شناخت اور جوڑ بند کی ترکیب مین کیا گیا ہے، قیمت ۱۰ ر، پتہ: مُسلم لائبریری آگرہ،

اشرف التقویم، یہ وہی جنتری ہے، جسکا ذکر گذشتہ سال کے رسالہ مین بھی ہو چکا ہے اب ۱۳۳۶ھ کی جنتری شایع ہوئی، حسب دستور مذہبی مسائل، تاریخی واقعات اور صناعی معلومات اسمین موجود ہین، ہجری تاریخ کی مطابقت سے انگریزی فارسی اور ہندی تاریخون کی بھی جدولین ہین، طبع وکتابت وکاغذ متوسط، قیمت ۳؍ ر، پتہ: اسلامیہ بک ایجنسی، اوتم پور ڈاکخانہ بہلولپور ضلع مراداباد،

تبیین المحجہ فی اعفاء اللحیہ، مراداباد کی انجمن لجنۃ العلماء کی طرف سے مولانا حاجی محمد حسن صاحب مراد ابادی رکن مجلس العلماء بھوپال نے داڑھی منڈانے کے قبائح دینی اور نقصانات طبی اور اجتماعی پر یہ رسالہ تالیف فرمایا ہے، تمام رسالہ اس دلیل پر مبنی ہے کہ آجکل فطری امور کے تتبع کا زیادہ خیال ہے، قرآن مین حکم ہے کہ اسلام فطرت ہے اور آنحضرت صلعم نے تفصیل فرمائی ہے کہ فطرت دس چیزین ہین جنمین ایک داڑھی رکھنا بھی ہے، پس داڑھی رکھنا ازروے قرآن عین فطرت ہے، بیچ بیچ مین اور نکات قرآنی بھی حل ہوئے ہین، نتیجہ کی صداقت سے انکار نہین، لیکن جس راہ سے اس منزل تک مولانا پہنچے ہین وہ ہمارے نزدیک بہت پُر پیچ اور ناہموار ہے، صاف دلیل شعار اسلامی کی ہے، اور خالفوا المشرکین اسپر شاہد ہے،

مجلد دوم | ماہ صفر ۱۳۳۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۷ء | عدد ششم

مضامین